قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا اِکہترواں سال

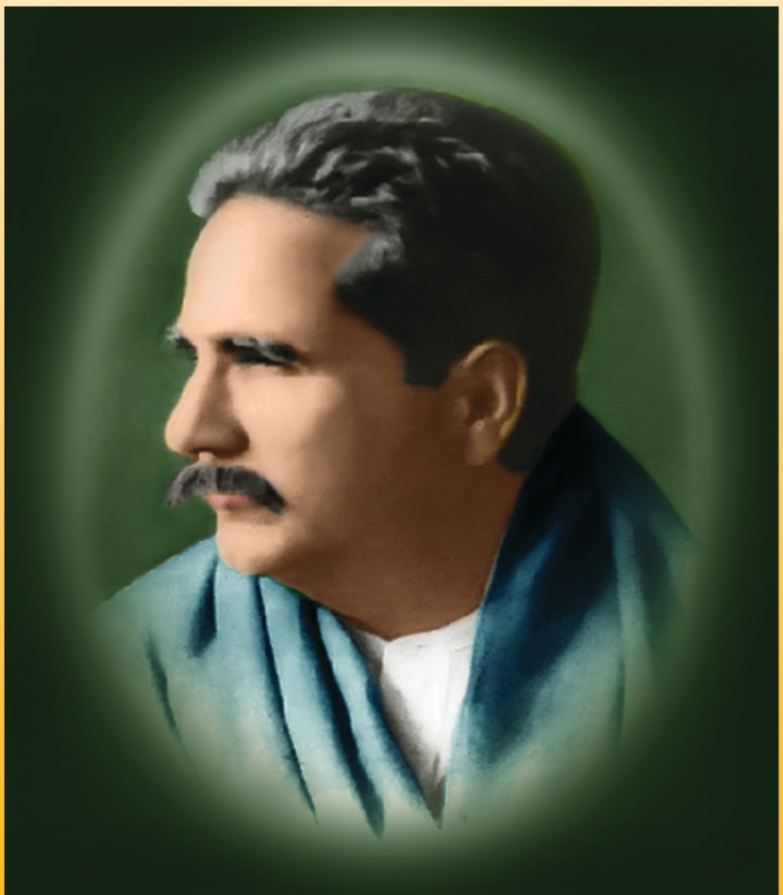
نومبر 2014ء

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



کھول
آنکھ
زمیں
دیکھ
فلک
دیکھ
فضا
دیکھ

مشرق
سے
ابھرتے
ہوئے
سورج
کو
ذرا
دیکھ

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.67
ISSUE
11

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666 , 042-35764484
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ
وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج 41:)

اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی، انہیں اقتدار حاصل ہو گیا (تو یہ ظلم اور استبداد نہیں کریں گے)۔ یہ نظام صلوٰۃ قائم کریں گے (تاکہ تمام افراد معاشرہ، قوانین خداوندی کا اتباع کرتے چلے جائیں)۔ یہ تمام نوع انسانی کو سامان نشوونما بہم پہنچائیں گے۔ یہ ان احکام کو نافذ کریں گے جنہیں قانون خداوندی (قرآن) صحیح تسلیم کرتا ہے اور تمام ایسے کاموں سے روکیں گے جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا۔ غرض یہ کہ (یہ ہر پیش آمدہ معاملہ کے متعلق دیکھیں گے کہ اس باب میں اللہ کا قانون کیا کہتا ہے۔ اس طرح ان کی حکومت میں بحث وتمحیص اور باہمی مشاورت کے بعد، آخرالامر) ہر معاملہ کا فیصلہ قانونِ خداوندی کے مطابق ہوگا۔ (الحج 41:)



جلد 67 شمارہ نمبر 11 نومبر 2014ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: تبدیلی صرف ''تغیرِ نفس'' سے آسکتی ہے	ادارہ	3
پرویز صاحب کا نظریہء حدیث وسُنّت	ملک منظور حسین لیل	6
ڈاکٹر صلاح الدین اکبر ۔۔۔	پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی	16
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را	شیخ اللہ دِتا	18
متحرک نفسیات	راجہ عبدالعزیز	19
استدراک	خواجہ ازہر عباس	28
قرآنی فکر	آصف جلیل	32
علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں	حافظ غلام مرشد مرحوم	37

ENGLISH SECTION

Surah *Al-Mursalaat* – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez

Parah 29: Chapter 30 Translated by: Dr. Mansoor Alam 43

دفتر کا پتہ 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546

E-mail: idara@toluislam.com

ناشر و چیئرمین

محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِ تعاون

پاکستان میں 40 روپے فی پرچہ

سالانہ -/450 روپے

بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر

3082-7 نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ

برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

Naveed Graphic 5.5x8

ادارہ

لمعات

تبدیلی صرف ''تغیرِ نفس'' سے آسکتی ہے

جو اربابِ دانش، اصلاحِ معاشرہ کے لئے اپنے ذہن سے تدابیر سوچتے ہیں وہ مختلف نتائج پر پہنچتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ملک میں رائج قوانین میں بنیادی خرابی ہے جس کی وجہ سے حالات میں اصلاح نہیں ہوتی۔ کوئی کہتا ہے کہ یہاں کا سیاسی نظام غلط بنیادوں پر استوار ہے۔ جن کی وجہ سے مملکت کی عمارت مخدوش چلی آ رہی ہے۔ ایک طرف سے آواز آتی ہے کہ اصل خرابی معاشی نظام کی ہے۔ روٹی کا مسئلہ حل ہو جائے تو سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔ یہ اور اسی قسم کی اور آوازیں مختلف سمتوں سے آتی ہیں، لیکن قرآن کچھ اور کہتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے متعلق میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں قرآن سے شناسا نہ ہوتا اور کوئی شخص اس کی صرف یہ ایک آیت میرے سامنے لاتا اور کہتا کہ یہ بات چودہ سو سال پہلے کہی گئی تھی تو تاریخ، سیاست اور نفسیات کا طالب علم ہونے کی جہت سے مَیں اگر اس پر غور کرتا تو بلا توقف پکار اٹھتا کہ یہ انسانی فکر کی تخلیق نہیں ہو سکتی۔ اس کا سرچشمہ یقیناً فکرِ انسانی سے ماوراء ہے۔ آیۂ جلیلہ یہ ہے جسے پڑھا تو اکثر جاتا ہے لیکن جس پر غور بہت کم کیا جاتا ہے۔ وہ ہے سورۃ الرعد کی گیارھویں آیت جس میں کہا گیا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ..... (13:11)

یاد رکھو! کسی قوم کے خارجی حالات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ قطعاً نہیں ہو سکتی۔ وہ قوم جو جی میں آئے کر دیکھے اس کے احوال وظروف کبھی نہیں بدل سکتے، جب تک وہ قوم اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کرے۔ جب تک اس کے قلب و دماغ میں تبدیلی نہ ہو۔ جب تک اس کی ذہنیت نہ بدلے۔ جب تک اس میں فکری اور ذہنی تبدیلی نہ ہو۔ جب تک اس میں نفسیاتی تبدیلی نہ ہو۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔

جو کچھ قرآن نے کہا ہے، باقی دنیا کے لئے اس کی حیثیت ایک اصول کی سی ہے۔ ایک نظریہ کی ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں اس کی صداقت پر یقین نہ ہو تو تم اس کے بجائے کوئی اور طریق اختیار کر کے اسے آزما کر دیکھ لو۔ وہ قطعاً کامیاب ثابت نہیں ہوگا۔ وَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۔ جو اصول تمہارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اگر تمہیں اس کی صداقت میں شک ہے تو تم اس کی مثل کوئی اور اصول اور نظام اور طریق کار اور ضابطہ وضع کر کے دیکھ لو۔ وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ..... (2:23) تم اکیلے ہی نہیں اپنے ساتھ دنیا بھر کے اربابِ فکر و دانش کو ملا لو اور سب مل کر اس کی کوشش کر دیکھو، تم کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔

یہ تو غیر مسلموں کے لئے ہے۔ لیکن مسلمان جو قرآن کی صداقت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں ان کے لیے اس اصول کی حیثیت مختلف ہے۔ اگر وہ سمجھیں کہ تغیرِ احوال کی صورت یہ نہیں، کوئی اور ہے تو یہ کفر ہوگا اگر وہ سمجھیں کہ یہ بھی ایک تدبیر ہو سکتی ہے لیکن اس کے علاوہ اور بھی تدابیر ہیں تو یہ شرک ہوگا، اور اگر وہ اس تدبیرِ خداوندی کو چھوڑ کر دیگر تدابیر پر عمل پیرا ہو جائیں تو یہ گویا خدا کو چیلنج دینا ہوگا کہ تم کہتے ہو کہ تغیرِ احوال کی ایک ہی صورت ہے، یعنی تغیرِ نفس۔ لیکن ہم تغیرِ نفس کے بغیر اپنے حالات میں تبدیلی کر کے بتا دیں گے۔

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ غیر مسلم عقل کے تجرباتی طریق سے مختلف تدابیر آزمانے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ نظریاتی تبدیلی کے بغیر انقلاب نہیں لایا جاسکتا۔ لینن کا نظریہ تھا کہ:

تشدد کے بغیر انقلاب نہیں لایا جاسکتا۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی رُو سے آبادی کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر اپنا اختیار و تسلط، قوت و استبداد، نوکِ شمشیر، گولیوں کی بوچھاڑ اور آتشیں گولوں کے دھماکے سے زبردستی کراتا ہے۔ (STATE AND REVOLUTION) [1]

لیکن اُسی کمیونزم کا حامی، چین کا عظیم لیڈر ماؤزے تنگ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ غلط ہے۔ نظریاتی تبدیلی کے بغیر انقلاب نہیں لایا جاسکتا، اور نظریاتی تبدیلی کے لئے بڑا طویل المیعاد پروگرام درکار ہوتا ہے۔ چین کے مشہور مجلّہ ''پیکنگ ریویو'' کی 20 مارچ 1970ء کی اشاعت میں اس کا (ماؤزے تنگ کا) ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس میں اس نے لکھا تھا۔

دانشوروں کا مسئلہ آئیڈیالوجی کا ہے اور آئیڈیالوجی سے متعلق مسائل کو حل کرنے کے لئے جبر و استبداد کے بھونڈے طریقے نہ صرف یہ کہ مفید نہیں ہوتے بلکہ نقصان رساں ہوتے ہیں۔ ہمارے رفقاء کو معلوم ہونا چاہئے کہ نظریاتی تبدیلی کے لئے بڑے طویل المیعاد، صبر آزما اور استقامت طلب پروگرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محض چند لیکچروں اور جلسوں سے لوگوں کے نظریات میں تبدیلی پیدا کرالیں گے۔ قوموں کے نظریات صدیوں میں جا کر مرتب ہوتے ہیں اس لئے انہیں راتوں رات بدلا نہیں جاسکتا۔ یہ کام جبر و استبداد سے نہیں ہوگا۔ لوگوں کے قلب و دماغ کو رفتہ رفتہ اس تبدیلی کے لئے آمادہ کرنا ہوگا۔

غیر مسلم تو مختلف تدابیر آزما لینے کے بعد اس اصول کو صحیح ماننے پر مجبور ہو رہے ہیں جسے قرآن نے پیش کیا تھا اور ہم یہاں..... خدا کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ ہم نفسیاتی تبدیلی کے بغیر انقلاب لا کر بتا دیں گے۔ لہٰذا جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے اور جب تک ہم اپنی موجودہ روش کو تبدیل کر کے، قرآن کے تجویز کردہ اصول کی طرف نہیں آتے ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی۔ پاکستان میں یہ سعادت صرف طلوع اسلام کے حصے میں آئی کہ اس نے قرآن کریم کے اس ابدی، غیر متبدل اصول کی طرف دعوت دی..... اور وہ اس دعوت کو مسلسل و متواتر پیش کئے چلا آ رہا ہے۔ قوم نے بہ ہیئتِ مجموعی اس سے جو بے اعتنائی برتی اسے تو چھوڑیئے۔ میں نے جب اچھے اچھے دانشوروں کے سامنے اس اصول کو پیش کیا تو ان کی طرف سے جواب یہ ملتا رہا کہ ہاں! بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن یہ بڑا لمبا پروگرام ہے۔ کوئی (SHORT - CUT) بتایئے، اور جب میں کہتا کہ مجھے تو قرآن سے کوئی شارٹ کٹ (چھوٹا راستہ) نہیں ملتا تو وہ یہ کہہ کر چل دیتے کہ ؎

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

میں ان حضرات سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کو کوئی ''شارٹ کٹ'' مل گیا جس پر چل کر آپ نے قوم کو تباہی سے بچا لیا؟ اور ساتھ ہی یہ کہ کیا آپ نے خدا کو چیلنج کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا؟

[1] ''میری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے'' طلوع اسلام نومبر 1974

☆.....☆.....☆

طلوعِ اسلام

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
ربود آں ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہ دے
مسلماں سے حدیث سوز و سازِ زندگی کہ دے
(جاری ہے)

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

قسط ششم

پرویز صاحب کا نظریہء حدیث وسُنّت

مسئلہ ءِ ادائِ نماز:۔ ادارہ طلوعِ اسلام کی شائع کردہ کتاب ''مقامِ حدیث'' میں ہے کہ:۔ ''کہا جاتا ہے کہ اگر احادیث کو نہ مانا جائے تو قرآن کریم کے احکامات پر عمل کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں نماز کا حکم ہے لیکن یہ کہیں نہیں لکھا کہ نماز کیسے پڑھی جائے۔ اس کی کتنی رکعتیں ہوں۔ ہر رکعت میں کیا کیا پڑھا جائے، وغیرہ وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے خدا کے اس حکم پر عمل کر کے دکھایا اور اسی کے مطابق ہمیں عمل کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ یہ کہنا کس قدر مبہم ہے کہ ''اگر ہم حدیث کو نہ مانیں تو۔۔۔۔۔'' حدیث کے وجود سے کون انکار کرتا ہے۔ احادیث کے مجموعے ہر جگہ ملتے ہیں۔ کہنا یہ چاہیئے کہ اگر ہم احادیث کو یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کا ریکارڈ تسلیم نہ کریں تو پھر (مثلاً) ہم نماز کس طرح پڑھیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ احادیث کو یقینی ماننے کے بعد بھی نماز کس طریق سے پڑھیں؟۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ شیعہ حضرات کی نماز سنی حضرات سے مختلف ہے۔ اور شیعہ اور سنی دونوں اپنی اپنی نماز کے متعلق دعوے کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مطابق ہے۔ پھر سنی حضرات کی طرف آیئے تو اہل حدیث کی نماز اور حنفیوں کی نماز میں جس قدر فرق ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ اور یہ دونوں فرقے بھی اپنی اپنی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان نمازوں میں سے کون سی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی نماز تسلیم کیا جائے۔ جبکہ ہر ایک کی نماز اور اس کی جزئیات کی سند میں احادیث موجود ہیں۔ کیا آج کوئی ایسا طریقہ معلوم کیا جاسکتا ہے جس سے یقینی طور پر متحقق ہو سکے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح نماز ادا فرمائی تھی؟'' ذرا آگے چل کر لکھا ہے کہ:۔

احادیث اور الگ الگ نمازیں:۔ ''کیا احادیث کو یقینی مان لینے کے بعد آپ یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ نماز کا فلاں طریقہ ٹھیک رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہے؟۔ ہاں! ہر ایک فرقہ یہ کہہ سکتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا طریقہ عین رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہے۔ لیکن کیا آپ یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہو سکتا ہے؟۔ کیا آپ اسے باور کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کچھ لوگ شیعوں کی سی نماز پڑھتے تھے اور کچھ سنیوں کی سی۔ یا کچھ لوگ اہل حدیث کی سی نماز پڑھتے تھے اور کچھ حنفیوں کی سی۔ یا خود رسول اللہ ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ ﷺ کبھی اُس طریقے

سے نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے جس طریق کے مطابق آج شیعہ نماز پڑھتے ہیں اور کبھی اُس طریق کی نماز جیسی نماز آج سنی پڑھتے ہیں۔اور کبھی اہل حدیث کے طریقہ جیسی نماز اور کبھی حنفیوں کی سی نماز!۔ظاہر ہے، ظاہر ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہوگا۔رسول اللہ ﷺ ایک ہی جیسی نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہوں گے،اور ساری اُمت ایک جیسی نماز پڑھتی ہوگی۔دین میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اختلاف کو قرآن کریم اللہ کا عذاب اور فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے۔جب صورت یہ تھی تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا اب ایسی صورت کسی طرح بھی پیدا ہوسکتی ہے کہ اُمت میں پھر سے وہی وحدت پیدا ہو جائے اور تمام مسلمان ایک جیسی نماز پڑھنے لگ جائیں؟۔ظاہر ہے کہ جب تک آپ احادیث کو یقینی اقوال و افعالِ رسول اللہ ﷺ تسلیم کرتے رہیں گے،اُس وقت تک اُمت میں وحدت پیدا کرنا ناممکن ہے۔اس لئے کہ ہر فرقہ کی اپنی اپنی احادیث ہیں اور ہر فرقہ اپنی حدیثوں کو یقینی طور پر اقوال و افعالِ رسول اللہ ﷺ قرار دیتا ہے۔''

فرقہ اور مکتبِ فکر کا فرق:۔ طلوعِ اسلام مئی۔جون ۱۹۸۲ء۔ص۔۳۹:۔ذرا مکاتبِ فکر اور فرقوں کے فرق پر غور فرمائیے۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے مشہور مفکر (فلاسفر) گزرے ہیں۔(مثلاً) بوعلی سینا، فارابی، رازی، الکندی وغیرہ۔ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا ''مکتبہءفکر (School of thought) تھا۔کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ بوعلی سینا کے مکتبہءفکر کے پیرو اپنی الگ نماز پڑھتے تھے اور فارابی کا مکتبہءفکر الگ نماز!۔کیا آج مسلمانوں کے ممالک میں کہیں کوئی گروہ ایسا ہے جو بوعلی سینا کے طریق پر نماز ادا کرتا ہو یا فارابی کے طریق پر!۔۔۔ان کے برعکس ذرا فرقوں پر نگاہ ڈالئے۔بخاریؒ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔۔۔ صلوا کما راءیتمونی اصلی (کتاب الاذان)۔۔''تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو''۔۔اگر یہ روایت نہ بھی ہوتی تو بھی بات واضح تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ ساری عمر نمازیں ادا فرمائیں۔انہوں نے نہ صرف یہ کہ حضور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا بلکہ خود بھی اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔اس کے بعد آج تک نہ تو اُمت میں ذرا سا بھی انقطاع (Gap) واقع ہوا۔یعنی یہ حادثہ ایک لمحہ کے لئے بھی رونما نہیں ہوا کہ دنیا میں کہیں بھی مسلمان نہ رہے ہوں۔نہ ہی کبھی نماز کا فریضہ ترک کیا گیا۔بالفاظِ دیگر، لاکھوں مسلمانوں نے حضور ﷺ کے ساتھ، حضور ﷺ جیسی نماز ادا کی اور اس کے بعد اس عملِ محسوس کا تسلسل آج تک جاری ہے۔اس سے عام سمجھ بوجھ کا انسان بھی اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ عملِ محسوس آج بھی بعینہٖ ویسا ہونا چاہیئے جیسا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا!۔لیکن امر واقعہ کیا ہے؟۔یہ کہ مسلمانوں میں متعدد فرقے ہیں اور ہر فرقے کی نماز الگ الگ ہے۔اور طرفہ تماشا یہ کہ ہر فرقہ کا دعویٰ ہے کہ جو نماز وہ ادا کرتے ہیں وہ بعینہٖ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ ادا فرماتے تھے!۔کیا عقلِ سلیم اسے باور کرتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مطابق ہے؟۔یہ فرقے کس طرح ثابت کرتے ہیں کہ ان کی نماز، جزئیات تک، رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مطابق ہے؟۔احادیث کی رو سے۔فقہ کی رو سے۔مختلف حدیثیں اور فقہی احکام، ہر فرقہ کی نماز کی

تائید میں سند پہنچا دیتے ہیں۔اس کے بعد ان میں بحث اس امر پر چل پڑتی ہے کہ تمہاری حدیث ضعیف ہے اور ہماری صحیح۔'' (یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی عبادات کے مختلف طریقوں کے ساتھ ساتھ، عبادات کے اوقات بھی مختلف ہیں۔موءلف)۔

نمازوں میں اختلاف:۔اس کے بعد پرویز صاحب موجودہ مختلف فرقوں میں نماز کے اختلافات کا ذکر کرتے ہیں اور اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ''اگر ہم احادیث کو نہ مانیں تو بتائیے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے گی؟۔اس کا اولین جواب تو تصریحاتِ بالا میں موجود ہے کہ احادیث کی رو سے کون سی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کہا جائے گا؟۔بات یہاں سے چلی تھی کہ اور تو اور نماز جیسے بنیادی فریضہ میں بھی اس قدر اختلافات صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔اور ان کی بنیاد احادیث اور فقہ پر ہے۔اس کے بعد سوچئے کہ کیا آج کوئی ذریعہ ایسا ہے جس سے حتمی اور یقینی طور پر متعین کیا جا سکے کہ رسول اللہ ﷺ کس طریق کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے؟۔اسی ایک مثال پر دیگر احکام کو قیاس کر لیجئے!۔اور پھر آپ خود ہی فیصلہ فرما لیجئے کہ ان احکام کی ادائیگی سے کیا یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہم ''اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول'' کا فریضہ ادا کر رہے ہیں!۔یہ تمام خلفشار اور انتشار۔یہ سب اختلاف و افتراق۔یہ ساری بے یقینی اور نامحکمی۔یہ سب اس لئے ہے کہ صدرِ اول کے بعد، ملوکیت آ گئی اور ''اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول'' کا قرآنی مفہوم اُمت کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔اور اس کا مفہوم ہم نے اپنے ذہن سے متعین کر لیا۔اطیعوا اللہ سے متعلق کہہ لیا کہ اس سے مراد کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔اور اطیعوا الرسول کا ذریعہ وہ احادیث جنہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔اور ان پر مبنی فقہی احکام۔جب تک دین کی اس اساس اور بنیاد کا صحیح مفہوم سامنے نہیں آتا، اور اس پر عمل نہیں کیا جاتا، نہ امت میں وحدت پیدا ہو سکتی ہے، نہ دین کا تمکن اور اسلام کا احیاء ہو سکتا ہے۔''

احادیث اور ادائی نماز:۔ظاہر ہے کہ کُتبِ احادیث سے ادائی نماز کے طریقے کا فیصلہ کن جواب نہیں ملتا۔اگر کتبِ احادیث میں ایک ہی طریقہ درج ہوتا تو پھر تو کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔لیکن کتبِ روایات میں وہ تمام طریقے بطور احادیثِ رسول اللہ ﷺ درج ہیں جو آج مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی ادائیگی ءنماز میں مستعمل ہیں۔اور ہر فرقے کی نماز کے جواز کے لئے کئی کئی احادیث موجود ہیں۔معترضین خود ہی فیصلہ کریں کہ کون سا طریقہ بیان کرنے والی حدیث صحیح اور کون سا طریقہ بتانے والی غلط ہے؟۔جبکہ احادیث کا لیبل ہر فرقے کا طریقہ ءنماز بتانے والی روایت پر چسپاں ہے۔حضور کریم ﷺ تو ایک ہی طریقے پر نماز ادا کرتے رہے ہوں گے اور ایک دفعہ یا ایک دن نہیں بلکہ دن میں پانچ مرتبہ پورے تیئیس سال تک خفیہ طور پر نہیں بلکہ علی الاعلان لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے اور پڑھاتے رہے ہوں گے۔۔۔مگر آج یقینی طور پر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضور کریم ﷺ نے کس فرقے کے طریقہ ءنماز کے مطابق نماز پڑھی اور پڑھائی تھی۔آج کے موجود تمام فرقوں کے طریقہ ہائے نماز کی اسناد کُتبِ احادیث ہی سے حاصل کی جاتی ہیں۔کیا حضور کریم ﷺ نے تمام طریقے استعمال کئے تھے؟۔قطعاً نہیں۔پھر تمام فرقوں کی ادائیگی ءنماز کے طریقوں کے حق میں یہ روایات کہاں سے آ گئیں؟۔اب بتائیے! کہ کیا احادیث نے مطلوبہ جزئیات کا تعین کر دیا؟۔کیا حدیث ادائیگی ءنماز کا مسئلہ حل کرتی ہے؟۔بلکہ حقیقت تو

یہ ہے کہ موجودہ طریقہ ہائے نماز احادیث سے زیادہ فقہ جات کے اماموں (ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، حنبلؒ، جعفرؒ وغیرہ) سے منسوب ہیں یعنی پوچھا جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ میں حنفی، جعفری یا حنبلی وغیرہ طریق کے مطابق نماز ادا کرتا ہوں اور اسی بناء پر متعدد بار مسلمان ایک دوسرے کو قتل کر چکے ہیں (مئولف)۔

نماز کیسے پڑھی جائے:۔ مئولف نے ۱۹۷۹ء میں جناب پرویز صاحب کو ایک خط لکھا جس کا جواب انہوں نے براہِ راست دینے کی بجائے مفادِ عامہ کے لئے طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۷۹ء (ص۔۹ تا ۲۱) میں شائع کیا۔ اس خط میں دوسرے سوالات کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل سوالات بھی تھے:۔

''دین کے اہم ترین رکن ''نماز'' کے بارے میں بھی آپ کو بتانا ہوگا کہ کس طرح مل کر پڑھی جائے؟۔ آپ کی یقیناً ریسرچ ہوگی کہ حضور پاک ﷺ اور ان کے صحابہؓ نے کس طرح نماز پڑھی۔ نماز باجماعت کا حکم بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ لیکن آپ قرآنی کنونشن کے موقع پر نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتے۔ یہ درست ہے کہ بہت سے مختلف عقائد کے لوگ جو آپ سے متاثر ہوں گے، ایک دوسرے کے پیچھے قرآنی کنونشن میں بھی نماز پڑھنے سے کتراتے ہوں گے اور آپ کو کہنا چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے طریقوں کے مطابق جا کر نماز ادا کر لیں، لیکن آپ خود بھی تو کسی طریقے پر نماز پڑھتے ہوں گے۔ اور یقیناً (جہاں تک میرا اپنا خیال ہے) وہ طریقہ آپ کی تحقیقات کا نچوڑ ہوگا اور میری نظر میں آپ کی ریسرچ موجودہ دور کے دیگر محققین سے زیادہ صائب ہے۔ کیا آپ صرف ان لوگوں سے علیحدہ نماز پڑھنے کا کہتے ہیں جن کی نماز آپ کی نماز (بلحاظ ادائیگی وغیرہ) سے نہیں ملتی یا تمام لوگوں سے؟۔''

جواب:۔ ''آپ نے جماعت سازی کے سلسلہ میں نماز کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور یہ بالکل فطری امر تھا۔ اس لئے کہ وہ نماز جو وحدتِ اُمت کا محسوس مظہر تھی، آج اُمت میں تفرقہ کی بین علامت بن گئی ہے۔ دس ہزار مسلمان ایک جلسے میں بیٹھے مقرر کی تقریر سُن رہے ہوں گے اور ان میں باہمی تفرقہ کا شائبہ تک دکھائی نہیں دے گا۔ لیکن جونہی اذان کی آواز کانوں تک پہنچے گی وہ اجتماع مختلف ٹولیوں میں بٹ جائے گا۔ اور اپنے اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھے گا۔ اس قسم کی تشتت خیز نمازوں کا نقشہ آپ متحدہ محاذ (پاکستان کے سابق مصلوب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قائم کردہ پی۔ این۔ اے۔ مئولف) میں شامل ان جماعتوں میں دیکھ چکے ہیں، جنہیں مودودی صاحب دین کی تبلیغ کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

جب اجتماعی کوششوں کی صورت میں کسی جماعت کا قیام عمل میں لایا جائے گا تو دین کے اہم ترین رکن نماز کے بارے میں بھی بتانا ہوگا کہ کس طرح مل کر پڑھی جائے۔ آپ کی یقیناً ریسرچ ہوگی کہ حضور پاک ﷺ اور ان کے صحابہؓ نے کس طرح نماز پڑھی تھی؟۔

ریسرچ:۔ میرے عزیز! اگر آج کسی طرح بھی حتمی اور یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے کس طرح نماز پڑھی تھی (اور دیگر ارکانِ اسلام ادا فرمائے تھے) تو اُمت کے کس قدر اختلافات مٹ جائیں؟۔ لیکن مشکل تو یہ ہے

کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ یہ سُن کر آپ کو حیرت تو ضرور ہوگی لیکن جب یہ حقیقت ہے تو (بادلِ نخواستہ ہی سہی) مجھے یہ کہنا اور آپ کو سننا پڑے گا۔ آج کوئی ذریعۂ تحقیق ایسا نہیں جس سے حتمی طور پر یہ معلوم کیا جا سکے۔ یہ بڑا اہم اور نازک معاملہ ہے۔ اس لئے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے عرصۂ نبوت میں نمازیں پڑھیں اور تنہا اور خلوت میں نہیں پڑھیں۔ ہزارہا صحابہؓ کی معیت میں پڑھیں۔ یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں تھا جس کے مفہوم کے سمجھنے میں اختلاف ہو جاتا۔ یہ ایک محسوس عمل تھا جسے صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا اور خود بھی حضور ﷺ کی اقتداء میں ویسے ہی کیا۔ پھر حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہؓ نے بھی اس عمل کو جاری رکھا۔ ظاہر ہے کہ اس تمام دوران میں نماز کی ایک ہی شکل ہوگی۔

تواترِ محسوس:۔ عملِ محسوس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک نسل سے دوسری نسل تک اُسی شکل میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور ہوتا رہتا ہے۔ صحابہؓ کے زمانے سے آج تک اُمت کا سلسلہ متواتر چلا آ رہا ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوا کہ کسی زمانے میں سابقہ اُمت پوری کی پوری ختم ہوگئی ہو۔ اور پھر کچھ عرصہ کے خلاء کے بعد ایک نئی اُمت وجود میں آئی ہو۔ ایسا نہیں ہوا۔ اُمت کا تواتر اور تسلسل برابر قائم رہا۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر نماز کی وہ شکل جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں قائم ہوئی تھی اسے اسی شکل میں آج تک قائم رہنا چاہیئے تھا۔ لیکن آج ہی نہیں، ہمارے ہاں صدیوں سے یہ حالت ہے کہ مختلف فرقوں کی نمازیں مختلف ہیں اور ان اختلافات کی شدّت کا یہ عالم ہے کہ ایک فرقے کا پیرو دوسرے فرقے والوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اس نماز کا کیا ہوا جو صدرِ اوّل میں قائم ہوئی تھی اور اس کی جگہ یہ مختلف نمازیں کہاں سے آ گئیں؟۔ ہمارے ہاں کے لٹریچر میں اس کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔ آپ فرمائیے کہ ہمارے پاس وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے یقینی طور پر کہا جا سکے کہ اُس نماز کی یہ شکل تھی؟۔

☆.....☆.....☆

احادیث:۔ اب آگے بڑھئے!۔ ہر فرقہ اپنی نماز کی تائید میں احادیث پیش کرتا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے ہاں احادیث کے ان مجموعوں میں بھی، جنہیں صحیح تسلیم کیا جاتا ہے، نماز کی مختلف شکلیں ملتی ہیں۔ اور ہر فرقے کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے اپنی نماز کی شکل صحیح حدیثوں پر قائم کر رکھی ہے۔ آپ فرمائیے کہ کیا ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے حتمی طور پر یہ کہا جا سکے کہ ان میں سے فلاں احادیث کی رو سے نماز کی جو شکل قائم ہوتی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی۔ ایسا کوئی ذریعہ نہیں۔

تاریخ:۔ احادیث سے آگے بڑھ کر تاریخ کی طرف آیئے!۔ اسے بھی ہم دنیا کے سامنے بڑے فخر سے پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن ذرا حقائق کا تجزیہ کر کے دیکھیئے کہ اس کی پوزیشن کیا ہے۔ مدینہ منوّرہ عہدِ رسالت مآب ﷺ اور اوّلین تین خلفائے راشدینؓ کے زمانے تک اس مملکت کا دارالخلافہ رہا جس کی حدود مختلف برِاعظموں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی وسیع و عریض مملکت کے نظم و نسق کے

لئے کوئی سیکرٹریٹ ہوگا۔تحریری احکام جاری ہوتے ہوں گے۔دستاویزات ضبطِ تحریر میں لائی جاتی ہوں گی۔مختلف ولایات کے گورنروں کے ساتھ خط و کتابت ہوتی ہوگی۔دوسری سلطنتوں کے ساتھ معاہدات ہوتے ہوں گے۔حکومت کی آمدنی اور خرچ کے حسابات رکھے جاتے ہوں گے،اس سیکرٹریٹ میں ان سب کا ریکارڈ ہوگا۔لیکن کیا یہ حقیقت موجبِ صد حیرت نہیں کہ ان میں سے کاغذ کی ایک چٹ تک بھی ہمارے ہاں موجود نہیں۔مدینہ منورہ اُس زمانے سے آج تک مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہا اور آباد اور شاداب رہا۔اس پر باہر سے نہ کوئی حملہ ہوا جس کی بدولت وہ ریکارڈ ضائع ہوگیا ہو۔نہ کوئی زلزلہ آیا کہ وہ عمارات زمین میں دھنس گئی ہوں۔نہ کوئی ایسی آگ لگی۔نہ کوئی سیلاب آیا۔اس سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ وہ اتنا ذخیرہ بالآخر گیا کہاں؟۔اس کے متعلق نہ کسی نے کوئی تحقیق کی۔نہ اس سوال کا کوئی جواب دیا۔اُس دور کی پہلی مفصّل تاریخ تیسری صدی میں جا کر مرتب ہوئی اور وہ بھی احادیث کی طرح زبانی روایت کی بناء پر۔کسی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ میں نے اپنی تاریخ کو اُس دور کی اصل (original) دستاویزات سے مرتب کیا ہے۔یہ جو حضور اکرم ﷺ کے دو چار نامہء مبارک (خطوط) شائع ہوئے ہیں وہ باہر کے علاقوں کے غیر مسلموں کے ہاں سے دستیاب ہوئے ہیں۔یہ ہے ہمارے اُس دور کی تاریخ کی حالت!۔آپ فرمائیے کہ کیا اس کی رو سے اُس دور سے متعلق حتم و یقین کے ساتھ کچھ بھی کہا جا سکتا ہے؟۔اس پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ اُس دور کے احوال و کوائف کے متعلق یقینی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا!۔اس اعتراض کا جواب میرے ذمّے نہیں۔میرے متعلق تو آپ صرف یہ دیکھیئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ حقیقت ہے یا نہیں۔۔۔ان تصریحات کی روشنی میں آپ فرمائیے کہ ہمارے ہاں ریسرچ کے وہ کون سے ذرائع ہیں جن کی بناء پر کوئی حتم و یقین کے ساتھ یہ کہہ سکے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جو نماز ادا فرمائی تھی اس کی ہیئت اور تفصیلات یہ تھیں۔''حتم و یقین'' کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے خلاف کچھ ثابت نہ کیا جا سکے۔نماز کی دیگر تفاصیل کو تو چھوڑیئے۔ہمارے ہاں اس ہزار سال میں یہ بھی طے نہیں پا سکا کہ حضور ﷺ نے تراویح کی آٹھ رکعت ادا فرمائی تھیں یا بیس رکعت۔حالانکہ اس کا تعلق محسوس گنتی سے ہے۔

کیا کیا جائے؟:۔ان حالات کے پیشِ نظر میں یہ کہتا چلا آ رہا ہوں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے ارکانِ اسلام کو جس جس طریق سے ادا کرتے چلے آ رہے ہیں ادا کرتے رہیں لیکن ایک دوسرے سے جھگڑیں نہیں اس لئے کہ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ اُس کا طریق سنّتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہے،کوئی بھی حتم و یقین کے ساتھ ایسا ثابت نہیں کر سکتا۔اگر ثابت کیا جا سکتا تو یہ اختلافات کیوں پیدا ہوتے۔اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہتا ہوں کہ کسی فرد یا گروہ کو اس کا حق حاصل نہیں کہ ان طریقوں میں کوئی ردوبدل کر سکے۔یا کوئی نیا طریقہ وضع کرے کیونکہ ایسا کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی اتھارٹی نہیں ہو گی۔اگر کبھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے انداز کی قرآنی مملکت قائم ہوگئی تو اُسے یہ اتھارٹی حاصل ہوگی کہ وہ اُمت میں وحدت پیدا کرنے کے لئے کوئی متفقہ طریق متعین کرے۔

فرقہ اہلِ قرآن:۔ اتھارٹی کے بغیر فرقہ ''اہلِ قرآن'' نے ایک نئی وضع کی نماز ایجاد کی تھی۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوا کہ ''**كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ**'' کی صف میں ایک اور کا اضافہ ہوگیا۔

میں نے اپنے جس مسلک کا اوپر ذکر کیا ہے، میں خود بھی اس پر کاربند ہوں۔ میں حنفی گھرانے میں پیدا ہوا اور اس لئے اسی مسلک کے مطابق نماز پڑھتا چلا آرہا ہوں۔ اگرچہ میں کسی دوسرے مسلک کے پیروکاروں کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔

کنونشن میں نماز:۔ آپ پوچھتے ہیں کہ میں طلوع اسلام، کنونشن کے موقع پر نماز باجماعت کا اہتمام کیوں نہیں کرتا؟۔ طلوعِ اسلام کنونشن میں مختلف مسالک کے پیروکار جمع ہوتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اس میں کس مسلک کے مطابق نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے؟۔ انہیں کسی ایک مسلک کے مطابق نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور اگر ہر مسلک کے متبعین کو اجازت دی جائے کہ وہ پنڈال میں اپنی اپنی الگ جماعت کھڑی کرلیں تو اس سے تشتت اور انتشار کا جو عبرت ناک منظر سامنے آئے گا اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ ان حالات کے تابع مناسب یہی ہے کہ مختلف مسالک کے لوگ مختلف مساجد میں جاکر اپنے اپنے طریق کے مطابق نماز ادا کرلیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری کنونشنوں میں آج تک کسی قسم کا کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا۔ وہ وحدتِ فکر ونظر کی بناء پر باہمی اخوت اور مساوات کے مثالی اجتماعات ہوتے ہیں۔ مقصد ان سب کے سامنے ایک ہی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اُمت میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (قرآنی مملکت) کا قیام کس طرح عمل میں لایا جاسکتا ہے۔''

☆.....☆.....☆

اردو زبان میں نماز:۔ ۱۹۵۷ء میں لاہور میں یہ تحریک اٹھی کہ نماز اردو زبان میں پڑھی جایا کرے۔ پھر ۱۹۷۰ء میں بھی اس تحریک کی صدائے بازگشت سنائی دی۔ کچھ لوگ آج کل بھی دبے لفظوں میں اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ تحریک، قرآن کے خلاف اور بڑے خطرناک، دوررس نتائج کی حامل تھی۔ اس لئے طلوعِ اسلام نے اس کی سخت مخالفت کی اور ملک بھر میں اس کے خلاف جدوجہد کی جس سے یہ فتنہ فرو ہوگیا۔ محترم پرویز صاحب نے اس سلسلہ میں ایک مبسوط مقالہ سپردِ قلم فرمایا تھا جو طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت جون ۱۹۵۷ء اور پھر مارچ ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ اور ان کے مجموعہ مضامین ''سلسبیل'' میں شامل ہے۔ اس میں انہوں نے ''نئی نماز'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:۔

نئی نماز:۔ ''اس میں خطرہ یہ ہے کہ آپ نماز کی ایک اور شکل پیدا کرکے اُمت میں ایک نئے فرقہ کا اضافہ کردیں گے۔ یہ ایسا جرم ہوگا جو ان تمام (مزعومہ) فوائد کو لے ڈوبے گا جس کے پیشِ نظر آپ اس جدت کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے! قرآن کی رو سے فرقہ بندی شرک ہے۔ اور شرک جرمِ عظیم۔ ہر نئی نماز ایک نئے فرقہ کی بنیاد ہوتی ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہر فرقہ اپنی نماز سے پہچانا

جاتا ہے۔اور اپنی نماز کی جزئیات کو علیٰ حالہٖ قائم رکھنے پر کس قدر متشدد ہوتا ہے۔اس لئے کہ اگر اس کی نماز کی وہ جزئیات مٹ جائیں جن سے وہ نماز دوسرے فرقوں کی نماز سے متمیز ہوتی ہے تو خود اس فرقہ کا وجود معرضِ خطر میں پڑ جائے گا۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے وہیں اس سے بچنے کے لئے ''وحدتِ صلواۃ'' کا ذکر کر دیا ہے۔سورہء روم میں ہے۔۔۔:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (30:31)۔''تم صلواۃ قائم کرو۔(اور مومن بننے کے بعد پھر) مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ یعنی اُن میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر دیئے اور خود بھی ایک گروہ بن کر بیٹھ گئے اور پھر حالت یہ ہوگئی کہ ہر فرقہ اپنے اپنے معتقدات میں مگن ہو کر بیٹھ گیا۔''

میرا مسلک:۔ یہی وجہ ہے کہ میں شروع سے (نماز کو بامعنی بنانے کی ضرورت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ) اس کی شدت سے تاکید کرتا چلا آرہا ہوں کہ اس وقت جس جس طریق سے نماز پڑھی جارہی ہے اس میں کسی قسم کے ردوبدل کرنے کا کسی فرد کو حق حاصل نہیں۔اس قسم کے ردوبدل سے، مختلف فرقوں کی نماز میں وحدت تو پیدا ہو نہیں سکے گی البتہ ایک نیا فرقہ ضرور پیدا ہو جائے گا۔(آپ کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ میری بار بار کی اس تلقین اور تاکید کے باوجود مخالفین ہر جگہ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ شخص تین نمازوں کی تعلیم دیتا ہے اور وہ بھی ایک نرالی قسم کی نماز کی۔اس سے ان کا مقصد واضح ہے اس لئے کہ جب تک وہ یہ نہ کہیں کہ یہ شخص ایک نئی قسم کی نماز ایجاد کر رہا ہے لوگوں کو یہ فریب کس طرح دے سکتے ہیں کہ یہ ایک نیا فرقہ پیدا کر رہا ہے)۔''وحدتِ صلواۃ'' اور وحدتِ اُمت لازم وملزوم ہیں۔اور وحدتِ اُمت، صرف اسلامی نظام پیدا کر سکتا ہے۔لہٰذا، کسی فرد یا گروہ کا، نماز میں کسی قسم کی جدت پیدا کرنا، اُمت میں مزید تفرقہ پیدا کرنا ہے۔

فرقہ بندی، شرک سے بڑا ظلم:۔ اور تفرقہ پیدا کرنا ایسا سنگین جرم ہے جس کے مقابلہ میں حضرت ہارون نے کچھ وقت کے لئے بنی اسرائیل کی گئو سالہ پرستی تک کو بھی گوارا کر لیا تھا (دیکھئے ۹۶/۲۰)۔لہٰذا، جو لوگ نو روزوں، تین نمازوں یا نماز اردو یا اردو عربی نماز کی جدتیں پیدا کر رہے ہیں وہ دین یا اُمت کی کوئی خدمت نہیں کر رہے، الٹا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ امت کے اصلی مرض کی تشخیص کی جائے اور اپنی توانائیوں کو اس کے مداوا میں صرف کیا جائے۔جس درخت کی جڑ سوکھ رہی ہو اس کے پتوں پر پانی چھڑکنا، خود پانی کا ضائع کر دینا نہیں تو اور کیا ہے؟۔یہ ہے اس تحریک کا خطرناک پہلو۔لہٰذا، کرنے کا کام یہ نہیں۔کرنے کا کام وہی ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے۔یعنی قوم کی جہالت دور کرنے اور اسے قرآن سے قریب لانے کے لئے عملی اقدامات:۔

ع:۔کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ۔''

جزئیاتِ نماز:۔ قرآن کریم میں سوائے چند احکامات کی تفاصیل کے، صرف اصول واقدار دیئے گئے ہیں جن کی جزئیات ہر زمانے کے حالات کے پیشِ نظر پوری امت کی باہمی مشاورت سے وضع اور طے کی جاتی رہیں گی۔نماز کی ادائیگی کے بارے میں بھی سوائے

چند باتوں (قیام، رکوع، سجود وغیرہ) کے کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ حالانکہ اس مقصد کی خاطر چند مزید الفاظ کا اضافہ کر دینا خدا کے لئے کچھ مشکل نہیں تھا۔ نفاذِ ملوکیت سے قبل ہر قسم کے احکامات بشمول ادائیگی ءنماز مرکزِ خلافت سے جاری ہوتے رہے اور پوری امت ایک جیسی نماز ادا کرتی رہی۔ قیامِ ملوکیت کے بعد دین کی برتری ختم ہوگئی۔ دین مذہب (سیکولرازم) میں تبدیل ہوگیا۔ دین اور دنیا الگ الگ ہوگئے۔ اب مرکزِ حکومت سے پوری زندگی کے جملہ قوانین و احکامات کا سلسلہ بند ہوگیا اور صرف سیاسی (دنیاوی) قوانین و احکامات جاری ہونے لگے۔ فقہاء نے (مجبوراً) انفرادی طور پر قانون سازی اور قرآنی اصول و احکامات کی تفاصیل و جزئیات طے کرنے کا کام شروع کیا تو اپنے اپنے مقلدین کو نماز کی جزئیات اور ادائیگی ءنماز کے طریقے بھی اپنی اپنی علمی اہلیت، تحقیق اور سوچ کے مطابق الگ الگ بتائے۔ اُس دور میں دیگر اصول و احکاماتِ قرآنی کے ساتھ ساتھ حکمِ نماز کی جزئیات و تفاصیل وضع اور طے کرنے کا کام غلط نہیں تھا مگر یہ کام انفرادی طور پر نہیں بلکہ پوری امت کی مشاورت سے طے پانا چاہیئے تھا۔ بدقسمتی سے ادائیگی ءنماز کا کوئی متفقہ طریقہ سامنے نہ آسکا۔

الگ الگ نمازیں، الگ الگ مساجد: ۔نتیجہ یہ نکلا کہ مختلف جزئیات کی بناء پر نمازیں اور مساجد الگ الگ ہوگئیں۔ فرقہ بندی نے جنم لیا اور وحدتِ امت پارہ پارہ ہوگئی۔ چاہیئے یہ تھا کہ پوری امت (پارلیمان کی شکل میں یا جیسے بھی ممکن ہوتا) باہمی مشاورت سے نماز اور ادائیگی ءنماز کی متفقہ تفاصیل و طریقہ کا فیصلہ کرتی اور پوری امت مل کر اس پر ایک جیسا عمل کرتی۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ نہ کسی نے اس اہم مسئلہ پر اس انداز میں سوچا۔ ہر فرقہ نے خود کو صحیح سمجھا اور ایسا ہی سمجھتا چلا گیا۔ اب بھی (اگر ایک اسلامی حکومت قائم ہوجائے، جس کے لئے کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرضِ اولیں ہے تو) پوری امت باہمی مشاورت سے نماز کی ادائیگی کے ایک طریقے پر اتفاقِ رائے اور اتفاقِ عمل پیدا کرے گی۔ کیونکہ نماز ہی اتحادِ امت کی اولیں علامت ہے جو کہ آج الگ الگ نمازوں کے باعث اختلافِ امت کی علامت بن چکی ہے۔ البتہ جب تک ایسی صورت پیدا نہیں ہوتی تب تک، کسی سے تعرض کئے بغیر، جو کوئی جس جس طریق پر نماز ادا کر رہا ہے، ادا کرتا رہے (موءلف)۔

نماز ادا کرتے رہنا کیوں ضروری ہے: ۔اس ساری بحث و تمحیص کے بعد اگر کوئی شخص یہ غلط نتیجہ اور تاثر اخذ کرتا ہے (جس کا پروپیگنڈہ پرویز صاحب کے خلاف کیا جاتا ہے) کہ نماز پڑھنے کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں ہے تو یہ گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اول تو یہ نتیجہ یا تاثر کسی بھی طرح پیدا نہیں ہوتا کہ نماز پڑھنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جب خدا کی طرف سے حکمِ نماز ہے تو اس کا ادا نہ کرنا کس طرح جائز قرار پا سکتا ہے؟۔ اس کے باوجود کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کی نمازیں ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، اس کے باوجود کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، اس کے باوجود کہ کسی کو صحیح طور پر علم نہیں کہ کون سی نماز حضور کریم ﷺ والی نماز ہے، ہر فرقہ نیک نیتی سے اپنی نماز کو حضور ﷺ والی نماز ہی سمجھتا ہے، اُس وقت تک اپنے اپنے طریق پر نماز پڑھتے رہنا ضروری ہے

جب تک پوری امت کی ایک قرآنی حکومت قائم نہیں ہو جاتی اور وہ واحد طریقِ نماز کا متفقہ فیصلہ نہیں کر دیتی۔ (کسی ایک فرد یا فرقے کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی نماز دوسروں پر زبردستی تھوپ دے اور انہیں اپنی نماز پڑھنے پر مجبور کر دے، یا کوئی فرد یا فرقہ کوئی نئی نماز ایجاد کر لے)۔ اگر ادائیگی ءنماز (یا دیگر ارکان کی ادائیگی) سے اعراض برتا جائے تو اسلام اور اس کے ارکان خصوصاً نماز کا حشر وہی ہو سکتا ہے جو حشر ہم نے خدا کی طرف سے عطا کردہ (سیاسی) نظامِ خلافت کا کیا ہے۔ ۱۹۲۴ء تک حقیقی اور صحیح طور پر نہ سہی مگر کسی نہ کسی رنگ میں خلافت کا ادارہ موجود رہا۔ کبھی کوئی حقیقی خلیفہ بھی اس عہدہ پر آ سکتا تھا۔ مگر خلافت کا ادارہ ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کے ذہنوں سے ''خلافت'' کا تصور ہی مٹ گیا۔ اور آج ایک سو سال پورے ہونے سے قبل ہی مسلمانوں کی نئی نسل، نظامِ خلافت سے ناآشنا ہو چکی ہے اور اسے ایک سیاسی نظام سمجھنے اور ماننے سے قاصر ہے۔ آج مسلمانوں سمیت، دنیا کے سیاسی نظاموں میں ''نظامِ خلافت'' نظر ہی نہیں آتا۔ آپ شاید ہی کسی کتاب یا میڈیا میں اس نظام کے بارے میں پڑھیں یا سنیں گے۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ ادائیگی ءنماز کو بھی غیر ضروری سمجھا گیا تو (نہ صرف نماز بلکہ) پورے اسلام کو نقصان پہنچ سکتا ہے (موءلف)۔

نماز و روزہ کی اہمیت: ۔طلوعِ اسلام۔ اگست ۲۰۱۳ء۔ ص۔۴: ''میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکین بزم کہتے ہیں کہ انہوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے، اس کی بناء پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ''طلوعِ اسلام'' نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟۔ آپ نے غیر قرآنی روشِ زندگی کو تو نہ چھوڑا، اور اس کے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے۔ اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوعِ اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوعِ اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عائد کر دیا۔

ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت، کاروبار، شادی، رشتے ناطے، سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ (بعض گوشوں سے آوازیں آئیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے جو طلوعِ اسلام کی تحریک سے وابستگی ظاہر کر کے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ محترم پرویز صاحب نے سلسلہ ءکلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا) ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں ہی سے کر سکتے ہیں لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہوگی؟۔ خدارا اپنے قول و عمل کو بصیرت، علم اور خلوص پر مبنی رکھئے۔ ''مقدس بہانے'' تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔'' (منزل بہ منزل از پرویز۔ ص۔ ۳۶۔۳۵۔ طلوعِ اسلام مئی 1959ء۔ ص۔ 14)۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی
ایگزیکٹو ہیڈ، طلوعِ اسلام ٹرسٹ

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر ۔۔۔ ایک مسیحا، ایک ادیب اور ایک سچا پاکستانی!!

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر ایک بھرپور زندگی گذار کر 19 ستمبر 2014 کو 91 سال کی عمر میں اِس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ اُن کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں اور ہر جہت دوسری سے بڑھ کر متاثر کُن۔ وہ ایک مشفق ڈاکٹر، اردو زبان و ادب کے اہم ادیب، علامہ پرویز کے ہمسایہ، شاگرد اور ذاتی معالج ہونے کے ساتھ ساتھ سالہا سال تک ماہنامہ طلوعِ اسلام کے ادارتی بورڈ میں شامل رہے۔ اچھے وقتوں میں سیاست تو کی ہی مگر پاکستان پیپلز پارٹی کے اُن چند افراد میں سے ایک تھے جنہیں بانی قیادت نے لاہور میں پارٹی کو آرگنائز کرنے کی ذمہ داری لگائی۔

حلقہ اربابِ ذوق ہو یا انجمن ترقیٔ اردو کے مصنفین کا ذکر ہو، 1940 سے 1960 کی دہائیوں میں اردو ادب کی نامور شخصیات کے درمیان ڈاکٹر صلاح الدین اکبر کا اپنا مقام ہے —— عزت و احترام کا مقام! بڑے بڑے نام والوں (مثلاً حبیب جالب، ناصر کاظمی، قتیل شفائی، ساحر اور حافظ لدھیانوی) سے تعلقِ خاطر رہا جس کا تفصیلی ذکر انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح عمری (عمرِ گذشتہ کی کتاب) میں تفصیل سے کیا ہے۔ اُن کی کتب اور تحریروں میں اردو اور فارسی کے نہایت خوبصورت اشعار جس خوبی اور خوبصورتی سے برمحل، برموقعہ، برجستہ استعمال ہوئے ہیں اُس سے اُن کے نفیس ذوق، اچھی یادداشت اور علمی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر کو اپنے میڈیکل پروفیشن سے بھی عشق تھا۔ اِس شعبہ سے منسلک جنرل پریکٹیشنرز کی بہتری کے لئے قانون سازی اور پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن ہاؤس کی تعمیر ممکن بنانے والی ٹیم میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب کو صرف کام سے غرض رہی ہے۔ عہدہ، مرتبہ اور شہرت سے طبیعت ہمیشہ نفور رہی ہے۔

آپ کی نو کتب اور بے شمار مضامین اخبارات اور ماہنامہ طلوعِ اسلام میں شائع ہوئے۔ اگرچہ بعض دفعہ وہ قلمی نام سے بھی لکھتے تھے مگر اُن کی تحریر کی روانی اور اسلوبِ بیان سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ کسی صاحبِ طرز ادیب کا کام ہے۔ تحریکِ پاکستان کے موضوع پر انہوں نے بہت کچھ لکھا کہ انہیں قائدِ اعظمؒ، علامہ اقبالؒ اور پاکستان سے والہانہ عشق تھا۔ خود لکھتے ہیں:

قیامِ پاکستان کا اصل مقصد و مطلب بہت دیر کے بعد سمجھ آیا اور شاید کبھی نہ آتا اگر اس دانا، مردِ درویش (پرویز صاحب)

کی صحبت نصیب نہ ہوتی جو گلبرگ میں جب ہم آئے تو اُن کی ہمسائیگی نصیب ہوئی۔۔۔۔۔انہوں نے سوچ کو، عقائد کو جس طرح متاثر کیا، اُس نے زندگی کا چلن ہی بدل کر رکھ دیا۔

پرویز صاحب اور طلوعِ اسلام سے تعلق جو شروع ہوا تو یہی اُن کا، یوں کہئے کہ، اوڑھنا بچھونا ہی ہو گیا۔ڈاکٹر صاحب، پرویز صاحب کے ذاتی معالج تھے اور ہمیشہ خاطر داری کے لئے مستعد رہتے۔ پرویز صاحب بھی اُن پر غایت درجہ کا اعتماد کرتے تھے۔ ماہنامہ طلوعِ اسلام کی تاریخ میں صرف ایک ہی ناول پر تبصرہ شائع ہوا ہے اور وہ تھا ڈاکٹر صاحب کا ناول ''انسان''۔ PTV پر پرویز صاحب کا جو انٹرویو نشر ہوا، اُس کے لئے بھی ڈاکٹر صاحب کا انتخاب کیا گیا کہ وہی انٹرویو لیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کو اپنی بیٹی ڈاکٹر نغمانہ اکبر کی بے وقت موت نے ہلا کر رکھ دیا اور رہی سہی کسر اُن کی شریکِ حیات رشیدہ بہن کی وفات نے پوری کر دی۔عمر کے اِس حصہ میں ایک حساس دِل کے لئے اتنے گہرے صدمات کو برداشت کرنا کتنا مشکل تھا، اُس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہفتہ واری درس پر اُن کی باقاعدہ حاضری بھی کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی اور وہ گھر کے ہو کر رہ گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی خوبیوں پر جتنا لکھا جائے کم ہوگا۔ وہ حلیم الطبع، شفیق، صحیح موقف پر چٹان کی طرح ڈٹ جانے والے، انسانیت کی خدمت کے جذبہ سے سرشار، کم گو اور متانت کے مجسمے، قرآنِ کریم سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھنے والے، پاکستان کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار شخصیت کے حامل تھے۔اُن کی کتاب میں یہ آخری دعائیہ الفاظ اِس جذبہ کے غماز ہیں:

کسی کو آگے بڑھ کر، دنیا کے کسی خطۂ زمین میں قرآنی نظامِ ربوبیت قائم کرنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سعادت پاکستان کے حصہ میں آئے۔ یہی اقبالؒ کی آرزو اور خواب، یہی قائدؒ کی جدوجہد کا ماحصل اور منزل۔

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر کہ یہ دعا اُن کی قرآن اور پاکستان سے گہری محبت اور علامہ اقبال اور قائدِ اعظم سے گہری عقیدت کا اظہار ہے۔

میری خصوصی درخواست پر ڈاکٹر صاحب نے طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی ممبر شپ قبول کی اور ٹرسٹ کے ہر اجلاس میں ہمیں اپنی راہنمائی سے نوازتے رہے۔اُنہوں نے ایک بھرپور زندگی گذاری اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ صلاحیتوں کو مثبت انداز میں اور معاشرہ کی بھلائی کے لئے استعمال کیا۔

میں جُملہ اراکینِ ٹرسٹ کی طرف سے دعا گو ہوں کہ پروردگار انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور اُن کے خاندان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

☆.....☆.....☆

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی مورخہ 24 فروری 1985ء کو وفات کے بعد' نئے ادارہ طلوعِ اسلام اور ٹرسٹ کو رجسٹرڈ کیا گیا تھا اور مرحوم کے قلمی وصوتی ریکارڈ بشمول کتب اور ادارہ کی بلڈنگ کی خریداری کا معاملہ درپیش تھا' جو صرفِ کثیر کا متقاضی تھا۔ احباب کے تعاون کے باوجود مطلوبہ رقم کی فراہمی میں دشواری سامنے آ رہی تھی اور مرحوم شیخ عبدالحمید' جو اُن دِنوں ادارہ کے جملہ امور بسلسلہ طباعت واشاعت سرانجام دیتے تھے' کی ذاتِ گرامی ہمیشہ متفکر رہا کرتی تھی۔ ایک دوپہر ادارہ کی دوسری منزل پر' جہاں اِن دنوں پرویزؒ میموریل لائبریری قائم ہے' وہاں ادارہ کا دفتر ہوا کرتا تھا' محترم شیخ صاحب اسی اُدھیڑ بن میں محو تھے کہ ایک صاحب تشریف لائے اور سلام دعا کے بعد ایک سُوتی تھیلا میز پر رکھا اور شیخ صاحب کو پیش کیا۔ ان کے کہنے پر کہ اس میں کیا ہے؟ مہمان نے اسے میز پر انڈیلنا شروع کیا۔ اس میں سے زنانہ طلائی زیورات گرنا شروع ہوئے اور میز پر پھیل گئے اور کہا کہ یہ میرے اور میری اہلیہ کی طرف سے بلڈنگ کی خریداری کے لئے عطیہ ہے اور اہم بات یہ کہ میری اہلیہ نے اپنے کانوں کی آخری بالیاں بھی اتار کر اس میں شامل کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے فیصل آباد میں واقع ایک مکان کے کاغذات بھی پیش کئے کہ اسے بیچ کر جو رقم حاصل ہو' وہ بھی عطیہ میں شامل کر لی جائے.....یعنی زندگی کی ساری متاع پیش کر دی۔

.....میں بھی حاضر تھا وہاں.....ضبط کے باوجود اُمڈتے آنسوؤں کے ساتھ' شیخ صاحب سے عرض کیا کہ ایسے پرخلوص اِیثار کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو بلڈنگ کی خریداری میں کوئی دشواری ہو۔ ایسی ایمان افروز مثالیں' قرنِ اُولیٰ کے بعد بہت کم نظر آتی ہیں۔

یہ تھے جناب بشیر بٹالوی صاحب جو اُن دنوں' اِسی کام کے لئے ناروے سے تشریف لائے تھے۔

آمدہ اطلاعات سے مظہر ہے کہ وہ ناروے ہی میں چند روز پہلے' عیدِ قربان کے دن اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ خبر پاتے ہی' دل میں یادوں کے چراغ جل اٹھے اور لب پر یہ دعا کہ

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

جگر فگار

شیخ اللہ دِتا (ایڈووکیٹ' لاہور)

☆.....☆.....☆

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

چھٹی قسط

متحرک نفسیات

Dynamic Psychology

پروفیسر ساجدہ زیدی کا کہنا ہے کہ مجموعی طور پر ہمارے رجحانات ہماری شخصیت کے رُخ کا تعین کرتے ہیں' ان افعال کی نشاندہی کرتے ہیں جن کی طرف ہماری طبیعت راغب ہوسکتی ہے اور اس طرزِ احساس کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو عموماً ہمارے افکار اور اعمال میں شامل ہیں۔ اسی طرح رجحانات ان عوامل کی بھی نشاندہی کرتے ہیں جن سے ہماری طبیعت میں تنفر اور بیزاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جن سے ہم دوری' کھچاؤ اور تناؤ محسوس کرتے ہیں۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی وصف کی نشاندہی شخصیت کے ایک مخصوص گوشے پر روشنی ڈالتی ہے۔ جبکہ کسی رجحان کی نشان دہی شخصیت کے عمومی رُخ کی طرف اشارہ کرتی ہے اوصاف مخصوص طرزِ احساس و عمل کا اشاریہ ہوتے ہیں جبکہ رجحانات شخصیت کے عمومی رُخ و رغبت کا اشاریہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی بات کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں شخص میں بہادری' صلح پسندی یا انکساری کے اوصاف پائے جاتے ہیں تو ہم کسی مخصوص صورت حال میں اس شخص کے مخصوص طرزِ عمل اور طرزِ احساس کے بارے میں تو اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن اس کی شخصیت میں کن چیزوں کے لئے کشش اور کن چیزوں کے لئے تنفر ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اب اگر ہم کہتے ہیں کہ شخص مذکور میں جذباتی رجحان پایا جاتا ہے تو ہم یقیناً اندازہ کریں گے کہ اس شخص کی اکثر اوقات معروضی سیاق وسباق میں بھی جذباتی انداز کی شرکت ہوگی۔ وہ بحث ومباحثہ میں بھی جذباتی انداز اختیار کرے گا۔ اسی طرح ناکامی' مایوسی' غم' رنج' راحت' خوشی وغیرہ کے موقعوں پر بھی اس کا ردِعمل جذباتی ہوگا۔ رشتوں' ناطوں' تعلقات' سماجی ربط وتعلق وغیرہ کی بنیاد بھی جذبات پر استوار ہوگی۔ عقلی منطق سے زیادہ اس پر جذباتی اپیل اثر انداز ہوگی اور وہ عقلی استدلال سے زیادہ جذباتی سچائی پر بھروسہ کرے گا۔ یعنی جذباتی رجحان اس کی شخصیت کی کئی کلیدوں میں سے ایک ہوگا جن کو جان لینے کے بعد اس کے بہت سے عقدے کھل جائیں گے۔

اخلاقی اقدار اور نفسیات کی باہمی وابستگی پر پہلے بھی بات ہوچکی ہے۔ پروفیسر ساجدہ نے ان تعلقات کے چند مزید گوشوں کو اُجاگر کیا ہے۔ ان کے مطابق اقدار حیات' انسانی شخصیت کی تعبیر وتشکیل میں معاون ہوتی ہیں۔ انہوں نے شخصیت کی تعریف متعین کرتے وقت شخصیت کو 'نفسی طبیعی نظاموں کی مجموعی تنظیم کہا ہے اور ظاہر بات ہے کہ نفسی طبیعی نظاموں کے زُمرے میں ایک لحاظ سے براہِ راست اقدار کا شمار نہیں ہوتا۔ کیونکہ بظاہر ان کی کوئی خاص پیدائشی یا طبیعی نوعیت نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان بھی جانوروں کی طرح مجبورِ محض ہوتا۔ لیکن پروفیسر صاحبہ کا کہنا ہے کہ اگر ہم انسان کے امتیازی اوصاف' شخصی رجحانات اور میلانِ طبع جیسے نفسیاتی

دھاروں کو، جو فرد کے منفرد طرزِ عمل اور عملی اقدام کے پس منظر میں سرگرم عمل رہتے ہیں، اقدار کے عملی پہلو سے وابستہ کریں تو اقدار کی بھی نفسی طبیعی ''بنیادیں'' ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں انسانی رجحانات، رویے اور مزاج بہت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کا رجحان لذت پرستانہ ہوگا تو عیش وعشرت کی تمنا اس کی زندگی کا رُخ متعین کرے گی۔ وہ مادی اشیاء کے حصول کا ہر حال میں خواہاں ہوگا۔ لہٰذا اس کی زیادہ تر اقدار بھی مادی اقدار کے زمرے میں شامل ہوں گی۔ یعنی دولت، اقتدار، عیش پرستی وغیرہ۔ اسی طرح اگر کسی شخص میں جمالیاتی رجحان پایا جاتا ہے تو وہ فنون لطیفہ، شعروادب، حسن پرستی اور فطرت پرستی کی طرف مائل ہوگا۔ اور انسانی اقدار بھی جمالیاتی ہوں گی۔ پروفیسر صاحبہ کے الفاظ میں ''چنانچہ حقیقی معنوں میں فرد کا عمل ہی اس کی اقدار کا آئینہ بھی ہوتا ہے اور ان کا پس منظر بھی۔ زبانی طور پر کوئی شخص کسی بھی طرزِ فکر کو اقدار میں شامل کہہ سکتا ہے، لیکن اس کی ''اصل قدر'' وہی ہوگی جو اس کے عمل کے پیمانوں سے ثابت ہوگی۔ کوئی بزدلانہ عملی رویہ رکھنے والا شخص بہادری اور بے خوفی کو اپنی قدر کہے تو یہ نفسیاتی جھوٹ ہوگا۔ یعنی کسی بے ایمان کا ایمانداری کے قصیدے پڑھنا۔ کسی دروغ مصلحت آمیز کے قائل کا سچائی کا پرچار کرنا، کسی اقتدار پرست کا ذہنی آزادی کے گن گانا، کسی متعصب کا رواداری اور بے تعصبی کا دعویٰ کرنا، کسی دنیادار کا روحانیت کا دم بھرنا، کسی زر پرست اور دولت لوبھی کا قناعت کا سبق پڑھانا، کسی سرمایہ دار کا انسان دوستی کا دعویٰ کرنا سب نفسیاتی جھوٹ ہیں۔۔۔۔ وجودی تصور کے فلسفی سارتر نے اس نوع کے غیر معتبر اظہارات کو 'Bad Faith' کہا ہے''۔ یہ سب ایک مخصوص رجحان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نفسیاتی اصطلاح میں انہیں 'Compulsive Contradiction of Personality' کہا جاتا ہے''۔

انسانی عمل کا اگر ایک انداز مستقل ہو، سوچا سمجھا ہو، شعوری انتخاب ہو تب ہی وہ قدر کا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔ اضطراری عمل قدر نہیں بن سکتا۔ اس کے محرکات دوسرے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہم کسی اضطراری، وقتی اور عارضی عمل کو قدر نہیں کہہ سکتے۔ محرک کے بارے میں پروفیسر ساجدہ کا کہنا ہے کہ ''محرک کا کام یہ ہے کہ وہ تمام نفسیاتی قوت کو عمل کے لئے مجتمع کرتا ہے، فرد کو فعال بناتا ہے اور اس کو عمل پر مجبور کرتا ہے، اور اقدار عمل کا تعین کرتی ہیں۔ یعنی کسی تحریک کے زیر اثر کون سا عمل اختیار کرے گا۔ یہ اقدار سے متعین ہوتا ہے۔ فعالیت محرک کا فعل ہوتا ہے۔ اور عملی طریقوں کا انتخاب اقدار کا فعل ہوتا ہے''۔ ان کے نزدیک بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جنہیں ہم محض ضروریاتِ زندگی سمجھ کر کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ اپنے پس منظر میں کارفرما کسی نہ کسی قدر کا اظہار ہوتے ہیں۔ اس کی مثال وہ مختلف رجحانات رکھنے والے تین آدمیوں سے دیتی ہیں جو ملازم ہیں اور ہر ملازم کی طرح ترقی کے خواہش مند ہیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے اپنے مخصوص رجحانات کے تحت منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ ان میں ایک شخص ترقی کی خاطر اپنے افسر (Boss) کے ہاں کبھی کبھی ''حاضری دینا'' ضروری سمجھتا ہے، ''صاحب'' کے بچوں سے پیار ومحبت بلکہ فدویانہ رویے کا اظہار کرتا ہے (گھر میں اپنی بیوی بچوں پر رعب جھاڑتا ہے) دیگر مقتدار افراد کو تحفے تحائف دینے اور ان سے میل جول بڑھانے کی طرف راغب ہوتا ہے تاکہ ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرکے ان کی خوشنودی حاصل کرسکے۔ جبکہ دوسرا شخص خوشامد کی بجائے خودداری سے کام لیتا ہے۔ ہر چند کہ سماج کے عام دھارے سے ہٹ کر جو راہ اختیار کی جائے گی اس میں مشکلات اور وہ بھی اکثر اوقات خطرات سے پر مشکلات ہوں گی

لیکن وہ خودداری اور عزتِ نفس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کام کی بہتری اور اپنی کارکردگی (Efficiency) کو ترقی کا زینہ بناتا ہے تو اس کا یہ اختیار کردہ عمل اسے بعض امتیازی اقدار کا حامل بنائے گا۔ اور وہ زیادہ قابل اعتماد ہوگا۔ اور خوددار بھی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ انتخاب اور خداداد اختیار کی آزادی کا صحیح اور جائز استعمال انسان کی شخصیت کی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔ عام گفتگو میں اسے کردار کی بلندی اور پختگی بھی کہا جاتا ہے۔ رہا تیسرا شخص تو وہ ان طویل دھندوں میں پڑنے کی بجائے شارٹ کٹ یعنی سازشی طریقے استعمال کرتا ہے۔ پروفیسر صاحبہ نے اپنا فیصلہ یوں دیا ہے۔ ''مختصراً ''خوشامد''، ''محنت'' اور ''سازش'' کا نام دیا جاسکتا ہے تو وہ تینوں افراد الگ الگ اقدار کے حامل ہوں گے۔ اور قرین قیاس یہ ہے کہ انہی اقدار کا عکس ان کے دوسرے افعال اور رویوں میں بھی نظر آئے گا''۔ اقدار کا سماجی نظریہ' افراد کے شعوری عمل کے آزادانہ پہلو کی نفی کرتا ہے اور فرد کو ایک منفعل معروض کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ پروفیسر ساجدہ نے رجحان کی یہ تعریف وضع کی ہے۔ ''رجحان ہم اس نفسی طبیعی نظام کو کہہ سکتے ہیں جس کی بنا پر فرد ایک خاص انداز کے فکر و احساس و عمل کی طرف زیادہ راغب ہو اور اس سے متضاد احساس و عمل اور افکار سے اس کی طبیعت میں تنفر اور کھینچاؤ کی کیفیت پیدا ہو''۔

انسانی شخصیت میں چند موروثی اور پیدائشی خصوصیات و خوابیدہ صلاحیتوں کے علاوہ اس کے زیادہ تر تانے بانے اکتساب (Earned or Learned) کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ دیگر متعدد خصوصیاتِ شخصیت مثلاً اوصاف' رویے' اقدار' زبان' تعلیمی حیثیت' تہذیبی انداز' عادات و اطوار' ارادہ و عمل' افکار و خیالات' نیکی و بدی کے معیارات۔ دوسرے افراد سے رشتوں کی نوعیت' معاشی و سیاسی' ثقافتی اور تمدنی رجحانات وغیرہ ماحول و حالات کے زائیدہ ہوتے ہیں اور داخلی خصوصیات نیز خارجی حالات کے متعدد پیچ در پیچ سلسلوں کی آمیزش اور آویزش سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ شخصیت کی تشکیل اور اس کے مکمل خدوخال کے تعین میں موروثی خصوصیات اور ماحول کے اثرات دونوں کا رول اہم ہے۔ ناگریز اور اٹل ہے۔ نیز شخصیت کی تشکیل ہر دو قسم کے عناصر کی ہمہ وقت کارکردگی اور باہم دگر آمیزش اور تصادم کے ایک ناگریز سلسلے سے ہوتی ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل تعینات یا گروہ ہر نقطہ نظر سے اہمیت کے حامل ہیں۔ خاندان۔ سماج۔ تہذیب و ثقافت اور مذہب۔ معاشی' سیاسی و سماجی صورت حال۔ معاشی حیثیت و پیشہ۔ تاریخی عہد یا دور۔ جغرافیائی صورت حال اور اتفاقی اور حادثاتی وقوعے وغیرہ۔ ان تمام اداروں اور حالات و واقعات کی تفاصیل کو بیان کرنے کے بعد پروفیسر صاحبہ کا کہنا ہے کہ ہر قسم کے اثرات اور محرکات شخصیت کا تعین فرد کی ذاتی خصوصیات کے مطابق کرتے ہیں' ہر شخص پر ایک سے حالات کا اثر ایک سا نہیں ہوتا۔ مختلف تعیناتِ شخصیت اپنا اپنا کام انفرادی خصوصیات پر ہی منطبق کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ ہر محرک کی شدت اور پھیلاؤ برابر نہیں ہوتے۔ نیز یہ بھی کہ اکثر اوقات کشمکش اور تناؤ کی صورت میں لوگ راہ فرار کے طور پر دوغلہ پن اختیار کر لیتے ہیں یا انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔

شخصیت کے تعین میں جذبات (Emotions) کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ یہ زندگی کو ایک خاص انداز اور رنگ دیتے ہیں اور یہی خاص انداز زیست حیات میں جستجو کی لگن پیدا کرتا ہے۔ جستجو کی لگن سچائی یا حقیقت کی تلاش ہے۔ یوں یہ کہا جاسکتا ہے کہ زندگی کا تصور جذبات کے بغیر ممکن نہیں' کیوں کہ جذبات سے پیدا ہونے والی کیفیت انسانی کردار کو ایک خاص سمت کی طرف لے جاتی ہے۔ ناصرہ

فاروق نے (Emotion) کا ترجمہ ہیجان کیا ہے حالانکہ عام طور پر اس لفظ کے لئے انگریزی زبان کا لفظ 'Stimulation' استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم ملک محمد موسیٰ اور شازیہ رشید نے ایموشن کا ترجمہ جذبہ کیا ہے۔ ویسے ہیجان اور جذبات تقریباً ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔ دونوں کا مقصد انسان کو کسی حرکت کی طرف راغب کرنا ہے۔ ایموشنز لاطینی زبان 'Emover' سے نکلا ہے جس کا مطلب حرکت، مشتعل ہونا، کانپنا، لرزنا، جھنجھوڑنا، متحرک یا مضطرب ہونا ہے۔ ایک ایسی حرکت جو اندرونی اور بیرونی محرکات سے پیدا ہو اور کسی عمل کی طرف اکسائے اور اس میں جسمانی غدودی اور عضویاتی تحریک کا خاص حصہ ہو۔ ڈارون نے حسبِ معمول انسانوں اور جانوروں کے جذبات میں پائی جانے والی مماثلتوں کو ظاہر کیا ہے۔ جرمن فلسفی اور ماہر عضویات ونفسیات ولہلم وِنٹ (م 1920ء) نے جذبات کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔ اس نے جذبات یا ہیجان کی وضاحت کے لئے احساسات کی تین جہتوں کا ذکر کیا جو یہ ہیں۔ (الف) خوشگوار یا ناخوش گوار (Pleassant or unpleassant)۔ (ب) پرجوش یا پرسکون (Excitment or Quiet/Calm)۔ (ج) آسودگی یا تناؤ (Relaxed or Tense)۔

ونٹ کے خیال میں جذبہ ایک پیچیدہ شعوری حالت یا عمل ہے جو خیالات، تاثرات اور ہیجانات سے مزین ہے۔ خیالات کا تعلق ہمارے حواس یا بیرونی دنیا سے ہے اور ان حواس ہی کے ذریعے تاثرات اور جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جذبات کے دو پہلو ہیں ایک داخلی اور دوسرا خارجی۔ داخلی پہلو کے معنی یہ ہیں کہ انسان خود جذبات کا احساس کیسے رکھتا ہے اور خارجی پہلو کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے افراد اس کے جسم میں کیا کیا تبدیلیاں دیکھتے ہیں۔ خوف و ہراس کی صورت میں انسان خود محسوس کرتا ہے کہ اس کی جسمانی کیفیت مثلاً تنفس کی تیزی، حلق کا خشک ہونا، ذہنی توازن کا درہم برہم ہونا اور معدے کے فعل میں تبدیلی وغیرہ واقع ہوئی ہے۔ اس کے برعکس اس کے جسم اور جسمانی کردار میں تبدیلیاں مثلاً چہرے کی رنگت کا تبدیل ہونا، کپکپی طاری ہونا، غیر ضروری حرکات کرنا، آواز میں تبدیلی اور اس قسم کی دیگر تبدیلیاں ہیں، جن کو دوسرے دیکھتے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر واٹسن نے تین جذبات یعنی محبت، خوف اور غصہ کو پیدائشی اور بنیادی قرار دیا ہے۔ جذبات میں لذت یا الم کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے اور یہ پیچیدہ عمل رکھتے ہیں۔ ایک شخص گالی سن کر خاموش رہتا ہے جبکہ دوسرا قتل کر دیتا ہے۔ جذبات کا زندگی میں بڑا عمل دخل ہے۔ انسانی کردار دراصل جذبات کے متوازن اظہار سے ہی وجود میں آتا ہے۔ کامیاب اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے جذباتی توازن بہت ضروری ہے۔ جب انسان کی جائز خواہشات اور ضروریات احسن طریقے سے پوری نہ ہوں تو وہ جذباتی طور پر عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔

نوزائیدہ بچے کی جذباتی کیفیت کے متعلق ماہرین نفسیات میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ دکھ، درد، اضطراب اور خوف وغیرہ کے جذبات بچوں میں ابتداء ہی سے موجود ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ جذبات، تجربے اور تربیت کی بنا پر محسوس ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کے مطابق ''نوعمر بچوں کی جذباتی زندگی پر مختلف قسم کے تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بچوں کو جذبات وراثت میں نہیں ملتے بلکہ یہ ماحول اور تربیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ بچوں میں آگ اور سانپ یا اندھیرے وغیرہ کا خوف تربیت سے پیدا کیا جا سکتا ہے اور مٹایا بھی جا سکتا ہے''۔ بالغوں میں جنسی جذبے کی طرح خودنمائی کا جذبہ

عروج پر ہوتا ہے۔ اگر ان کی صحیح رہنمائی نہ کی جائے تو وہ غلط راہوں کا انتخاب کر کے بھٹک جاتے ہیں۔ پروفیسر ساجدہ کا کہنا ہے کہ عنفوان شباب جذباتی ہیجان کا دور ہوتا ہے۔ یہ جنسی بیداری، جذباتی زیر و بم اور آغاز محبت و رومان کا زمانہ ہوتا ہے۔ بڑی احتیاط کا دور کیونکہ جنسی بے راہ روی اور جنسی جارحیت، یہ دونوں کیفیات اپنی انتہا کو پہنچ کر شخصیت کو محدود اور مسخ کر سکتی ہیں۔ جنسی بے راہ روی انسان کو محبت کے اعلیٰ اور خوبصورت جذبات سے بے بہرہ کر کے اس میں ''لذت پرستی'' سادیت (Sadism) اور مساکیت (Masochism) کے جراثیم پیدا کر دیتی ہے۔ وہ جنس کو افزائش نسل کا جبلی اور بے ساختہ ذریعہ سمجھنے کی بجائے نیز اس کی وساطت سے اپنی دنیا وسیع اور اپنی ''ایگو'' کی توسیع (خاندان، بیوی بچوں کی وساطت سے) کرنے کی بجائے اسے محض ہوس پرستی اور لذت پرستی کا وسیلہ سمجھتا ہے اور اغوا اور زنا بالجبر تک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ مثلاً بعض میکانکی سماجوں امریکہ اور مغربی ملکوں میں تو جنسی لذت کی خاطر قتل تک کئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کا زمانہ ہمارے موجودہ زمانے سے بہتر زمانہ تھا۔ اب ایسے قتل کے لئے اتنے دُور جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ لاہور اور دہلی کی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس معاملے میں ہم خود کفیل ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اس سلسلے میں مشرقی اور مغربی سماجوں کا جائزہ بھی لیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سماج اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن جذباتی نشوونما کے لئے دونوں یکساں طور پر پرخطر ہیں۔ مشرق میں نوجوانوں کے جذبات کو دبایا اور کچلا جاتا ہے، نتیجتاً ان میں جذباتی ناآسودگی اور جنسی گھٹن پیدا ہو جاتی ہے، بلکہ اکثر مردوں میں سادیت اور عورتوں میں مساکیت پیدا ہو جانے کی وجہ سے مردوں میں عورتوں پر فوقیت جتانے اور عورتوں میں نمائشیت، بزدلی، محکومی اور عموماً نخروں کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جذبات کو دبانے یا کچلنے کی بجائے ضروری ہے کہ اس معاملے میں نوجوانوں کے جذبات کے اخراج کے محرکات کو صحت مند، متوازن اور جائز سرگرمیوں کی طرف موڑا جائے۔ نوجوانوں پر جذبوں کے نزول کو ان کی ذہنی نشوونما اور دیگر تخلیقی صلاحیتوں کے فروغ کے لئے استعمال کرنے میں ان کی مدد اور راہنمائی کی جائے۔

ڈاکٹر ساجدہ زیدی کا کہنا ہے کہ مغربی معاشروں میں جنسِ مخالف کے ساتھ تعلقات کی، ابتدائے عنفوانِ شباب ہی سے، ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ وہاں جنسی رول کی پذیرائی اس لئے کی جاتی ہے تاکہ وہ آئندہ زندگی کے لئے ''شریک حیات'' کا انتخاب کر سکیں اور اس انتخاب کے لئے ''جنسی تجربات'' حاصل کر سکیں۔ اگر مشرقی رویوں کا جواز مشرق کی فرسودہ اخلاقیات بنتی ہے تو مغرب کے روّیوں کا جواز مغرب کی یک طرفہ حقیقت پسندی اور غیر مشروط جنسی آزادی کا نظریہ کہا جا سکتا ہے۔ جنسیات سے متعلقہ مختلف موضوعات پر تجربات سے ایک ہی حقیقت سامنے آئی ہے کہ نوعمری کی غیر مشروط اور بے محابا جنسی آزادی سے سن بلوغ کی زندگی میں کسی قسم کی بہتری نہیں آئی۔ یہ جنسی تجربات کسی کام نہیں آئے کیونکہ وہاں ناکام شادیوں، طلاق اور دوبارہ شادیوں کی تعداد میں کمی نہیں، تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ہاں نوعمری کی جنسی آزادی سے ان ''بچوں'' کی زندگی سے رومان پروری اور محبت کی دلکشی ختم ہو جاتی ہے۔ جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ جنسِ مخالف کی کشش معدوم ہو جاتی ہے۔ تحیر اور تجسس کے صحت مند جذبے پیدا ہونے سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں آئیڈیلزم کا خانہ خالی رہ جاتا ہے۔ اکثر ان کی تخلیقیت کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ پاکیزگی محبت کی جگہ

جسمانی لذت، رومان پروری کی جگہ بے لگام جنسیت اور نرم و نازک جذبات کی جگہ بے کیفی، بیزاری اور خشکی کی کیفیت لے لیتی ہے۔ نوجوانوں میں آئیڈیلزم کی جگہ خشک اور منجمد قسم کی حقیقت پسندی ملتی ہے۔ قبل از وقت کی حقیقت پسندی دراصل حقیقت پسندی نہیں بلکہ بلوغ کی نقل اور عنفوانِ شباب کی فطری رومانیت کا بطلان ہوتی ہے۔ ''عنفوانِ شباب سے قدرتی رومان اور تخیل کا عنصر نکل جائے تو کم فہم اور کج رو بلوغ کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ نوجوانی کا عرصہ لمبا اور آہستہ خرام ہوتا ہے اسے مادیت کے کوڑے لگا کر مہمیز کرنا عبث اور فطری نشوونما کے منافی ہے''۔ قصہ مختصر کہ جنسی آزادی کے باوجود وہاں بھی حالات ہماری طرح ہی بے ڈھنگے ہیں۔ کیونکہ اخلاقی اقدار کے قرآنی تصور سے جس طرح ہم نا آشنا ہیں اسی طرح وہ بھی بے خبر ہیں۔ مطلق اور ہمہ گیر اقدار تو وحی کے ذریعے معروضی طور پر ملتی ہیں لیکن ٹھوس اور محسوس شکل میں یہ انسانی اعمال سے ہی سامنے آتی ہیں۔ ایران کے مشہور مفکر اور فلسفی ڈاکٹر علی شریعتی کہتے ہیں ''تمام جانداروں میں صرف انسان خود شعور وجود ہے۔ یہ ایک اخلاقی وجود ہے۔ اقدار فطرت میں نہیں ہوتیں۔ ان کی کوئی خارجی یا مادی شناخت بھی نہیں ہوتی۔ چونکہ انسانیت کے بغیر اخلاقی اقدار کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اقدار کا ظہور انسان سے ہوتا ہے''۔

ایک امریکی ماہر نفسیات میڈم جینی رابرٹس نے 'The Nature of the Psyche' نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مادام نے نفسیات سے زیادہ جنسیات پر لکھا ہے۔ جنسیات (Sex) کی اہمیت انہوں نے یوں ظاہر کی ہے۔

"Western society has attempted to force all expression of love into sexual activity, or otherwise ban it entirely. Sexual performance is considered the one safe way of using the great potential of human emotions. When it seems to you the society is becoming licentous, in many ways it is inhibited..."

میڈم جینی کا یہ کہنا تو درست ہے کہ جنسی جذبہ بالقوۃ ایک طاقتور جذبہ ہے اور اس جذبے کی تسکین کے لئے اس کا جائز استعمال ذہنی اور عصبی لحاظ سے بھی اطمینان کا باعث بنتا ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی صرف اس جذبے کو کچلنے یا دبانے سے پھیلتی ہے، محل نظر ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو امریکہ میں تو فحاشی اور بے راہ روی کا نام و نشان تک نہ ہوتا کیونکہ وہاں کی جنسی آزادی کا مقابلہ شاید سکنڈے نیوین ممالک کے علاوہ کوئی ملک نہیں کر سکتا۔ ہر چند کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فحاشی اور بے حیائی کا معیار بدلتا رہا ہے۔ ایک زمانے کی برائی، بے راہ روی اور فحاشی کو آنے والے زمانے میں برائی یا بے حیائی وغیرہ نہیں سمجھا جاتا۔ ادب، فلم، آرٹ اور ڈرامے وغیرہ اس بات کی واضح مثالیں ہیں۔ لیکن جنسی آزادی کی بھی ایک حد ہے۔ اس حد تک پہنچ جانے کے بعد آگے کچھ کرنے کے لئے رہتا ہی نہیں۔ یہ حد وہ مقام ہے جہاں جنس خود اپنی کشش، دلفریبی، دلاویزی اور جاذبیت کھو دیتی ہے۔ تحیر اور تجسس نیز نرم و نازک اور پاکیزہ جذبات کی جگہ بے کیفی، خشکی، سستی، پژمردگی اور بے زاری کی کیفیت لے لیتی ہے۔ مغرب اس منزل کو پا چکا ہے اور مشرق ہنوز اس منزل کی طرف محو سفر ہے۔

مادام جینی نے اپنی کتاب میں نفسیات، جنسیات، خواب، زبان والفاظ، خالق اور تخلیق، شعور ولاشعور، محبت کی زبان، انسان اور خدا، ذہن ودماغ، زندگی اور موت، خدا اور نفسیات، خدا اور کائنات اور کائنات اور سائیکی جیسے اہم اور بنیادی موضوعات پر بحث کی ہے۔ یہاں ان موضوعات پر اشارا تاً بات کرنا بھی ممکن نہیں۔ البتہ خود اس کتاب کے سرچشمہ پر مختصراً بات کر لی جائے تو مناسب رہے گا۔ اس خاتون کا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کے الفاظ انہیں عالم غنودگی (Trance) میں ''سیتھ'' (Seth) نامی ایک فرشتہ یا روح کی طرف سے سنائی دیتے ہیں اور وہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے دہراتی ہے جنہیں ان کا شوہر رابرٹ بٹس (Robert Butts) لکھ لیتا ہے۔ خود ان کے الفاظ میں اس کا طریقہ کار یوں ہے۔

"Unless I "turn into seth", go the whole way, alter my very psychological alignment - unless seth smiles and speaks there is no seth's material."

میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ مادام جینی کا یہ دعویٰ ہمارے ہاں کوئی نیا انکشاف نہیں۔ ہمارے صوفیا کرامؒ پر ایسے انکشافات بذریعہ الہام والقا اکثر اوقات ہوتے رہتے ہیں اور ان کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ ہمارے شیخ اکبر ابن عربی نے تو تقریباً آٹھ صدیاں قبل یہ دعویٰ کیا تھا کہ ''معلوم ہو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو محروسۂ دمشق میں خواب میں دیکھا۔ یہ خواب مجھے 637ھ میں دکھایا گیا۔ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ فصوص الحکم ہے۔ اسے لے کر لوگوں کے پاس جاؤ وہ اس سے نفع پائیں گے۔ پس میں اس میں وہی القا کرتا ہوں جو مجھ پر القا کیا گیا۔ (فصوص الحکم صفحہ 163)۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کر دیا جائے جو مولانا محمد حنیف صاحب ندوی نے الٰہیات پر اپنی مشہور کتاب ''عقلیات ابن تیمیہؒ'' کے صفحہ 217 پر دیا ہے۔ خود مولٰنا ندوی صوفیاء کے کشف والہام کو محض موضوعی (Subjective) قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اہل کشف کا گروہ کسی ایک ہی نقطہ نظر کا حامل نہیں بلکہ مختلف العقائد صوفی جب مجاہدہ وریاضت سے دلوں کو صیقل کر لیتے ہیں تو اپنے ہی معتقدات کی جھلک برنگِ دیگر اپنے آئینہ دل میں دیکھنے لگتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کشف ہے۔ حالانکہ یہ وہی پرانے خیالات وافکار ہوتے ہیں جو زیادہ لطیف انداز میں سطح دل پر اُبھر آتے ہیں''۔

انسانی شخصیت بہت سے حواس (Sensations) سے تشکیل پاتی ہے۔ ان تمام حسوں (Senses) کے عضویاتی نظام ہیں۔ اس نظام میں سب سے پہلے اعضائے حس شامل ہوتے ہیں اور دوسرے اس میں وہ اعصابی ریشے ہیں جن سے گزر کر عصبی لہر (Nerve impulse) دماغ کے متعلقہ حصوں میں پہنچتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بجلی تاروں سے گزرتی ہے۔ عصبی نظاموں کے متعلقہ حصوں میں پہنچنے کے بعد وہ حصے اپنا کام شروع کر دیتے ہیں جو تحریک یا برانگیختی (Activity) کو متعلقہ جس میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ مثلاً انسان کے کان میں کسی آواز سے پیدا ہونے والی تحریک آواز کی حس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جبکہ آنکھ پر روشنی کا عمل، روشنی کی حس میں بدل جاتا ہے۔ ہم اپنے اردگرد مختلف قسم کی لاتعداد اشیاء کا ادراک اعضائے حواس (Sense organs) کی مدد سے کرتے ہیں۔ اعضائے حواس ہمارے وہ اعضا ہیں جن کی مدد سے ہم دیکھتے، سنتے، سونگھتے، چکھتے اور چھوتے ہیں۔ یعنی آنکھ، کان، ناک،

زبان اور ہاتھ ہمارے حسی اعضا ہیں۔ دنیا سے ہمارا رابطہ انہی اعضا کے ذریعے ممکن ہے۔ یہ تمام اعضائے حس بیرونی دنیا کے علم کے بارے میں ایک دروازے کا کام دیتے ہیں۔ اِسی دروازے سے بیرونی دنیا انسانی دماغ میں داخل ہوتی ہے۔ انسانی اکتسابی علم کی ابتدا بھی انہی حواس سے ہوتی ہے۔ حواس کے ذریعے ہمارے عمل / وقوف اور ادراک کو ایک شکل ملتی ہے یعنی حس اشیاء کے خواص یا پہلو کا انعکاس (Reflection) ہوتا ہے۔ مثلاً اشیاء گرم، سرد، بھاری، ہلکی، چکنی اور کھردری ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح آواز کی شدت کم یا زیادہ ہوسکتی ہے۔ اس قسم کے تمام خواص ہمارے حسی اعضاء پر عمل کرتے ہیں اور یوں متعلقہ حواس کو ابھارتے ہیں۔ حس معروضی دنیا کی موضوعی شبیہ ہے۔ حس کی فطرت انسانی نفسیات کے خصوصی قوانین، فرد کی ذاتی خصوصیات، معاشی اور سماجی حالات سے لازماً متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک موسیقی کے پروگرام میں، موسیقی کا ذوق رکھنے والا شخص، موسیقی کا ذوق نہ رکھنے والے شخص سے زیادہ لطف اندوز ہوگا اور اس کے جذبات بھی ابھریں گے۔ عام طور پر ہر حس کی اپنی خصوصیت اور اپنا فرض منصبی (Function) ہوتا ہے لیکن حواس کی بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جو تمام حواس میں مشترک ہیں۔ ان عمومی خصوصیات میں تہیج (Stimulation) کا عمل بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے چار درجات ہیں تہیج (Stimulus)، آخذے (Receptor Cells) عصبی لہر (Nerve Impulse) اور تحریک (Stimulation) ہیں۔ دماغ کے حسی خطوں میں تحریک کا عمل واقع ہوتا ہے یوں حس کا شعوری احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہر حس کے لئے دماغ میں علیحدہ علیحدہ حصے مخصوص ہوتے ہیں۔ جہاں مختلف قسم کی تحریکیں (Activities) پیدا ہوتی ہیں اور یوں حس کا عمل مکمل ہوجاتا ہے۔

حواس کی عمومی خصوصیات میں ایک خصوصیت ایصال (Transduction) بھی ہے۔ تمام حسی آخذے تہیج کو برقی کیمیاوی لہروں میں تبدیل کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اعصاب کے سلسلوں سے ہوتے ہوتے دماغ تک جا پہنچتے ہیں۔ حواس کے ضمن میں اعضائے حس کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ مخصوص عضو حس کی تحریک یا تہیج سے ایک خاص حس پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بصری آخذے روشنی سے متاثر ہوتے ہیں یعنی آنکھ روشنی کی شعاعوں سے متاثر ہوتی ہے اور یوں دیکھنے کی حس پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی طرح دیگر اعضائے حواس بھی کام کرتے ہیں۔ ہمیں زیادہ تر معلومات بصری حس سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس کی حساسیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی آنکھ بے تحاشا رنگ اور مختلف رنگوں (تقریباً 95,000 ,72) میں فرق کو محسوس کرسکتی ہے۔ انسان ان تمام رنگوں کے نام نہیں بتاسکتا۔ اس لئے رنگوں کا تعین کرنے میں صفات اور خصوصیات دونوں کو دخل ہے۔ رنگ کی صفات کا انحصار طول موج، بصری مہیج کی توانائی، شدت اور رنگوں کی مختلف تناسب سے آمیزش پر ہے۔ ان ہی طبعی خصوصیات کی بنا پر مختلف رنگوں کو دیکھا جاتا ہے۔ سائنسی علوم نے رنگوں پر تحقیقات کے دوران نئے نئے اور حیران کن انکشافات کئے ہیں جن کی ایک طویل کہانی ہے۔ کیمیائی سالمات، ایٹمز کی تعداد، ترتیب اور نوعیت سے رنگ بدلتے جاتے ہیں۔ حالانکہ بنیادی ایٹمز وہی ہوتے ہیں۔ اس کی ایک اہم مثال کلوروفل (Cholorophyll) ہے۔ اس میں پائی رولز (Pyrrols) کے چکروں کے اندر ایک ایٹم (دھات) میگنیشیم کا ہوتا ہے جو

سبز ہوتا ہے اگر 'Magnesum' کے ایک ایٹم کی بجائے فولاد (Iron) کا ایک ایٹم رکھ دیا جائے تو رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسانی خون کا رنگ ہے۔ نباتات کے پتوں کے اندر یہی کلوروفل ہوتا ہے جس کے ذریعے 'Photo Synthesis' کا عمل وجود میں آتا ہے جو نباتات اور حیوانات کی خوراک کا سبب بنتا ہے۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
021-35854919
Skype: AZURE.ABBAS
www.azharabbas.com

استدراک

ہمارا ایک مضمون بعنوان ''تزکیہ نفس اور زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم'' موقر ماہنامہ طلوع اسلام کے ایشو بابت ستمبر 2014ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں ہم نے ایک فقرہ یہ تحریر کیا تھا ''اللہ تعالیٰ کی جو صفاتِ عالیہ ہیں ان کا Potential ہر انسان کے اندر ہوتا ہے۔ ان صفات کا جلوہ گر کرنا ضروری ہوتا ہے''۔ اس فقرہ پر ہمارے ایک بزرگ دوست، عالم دین، نے یہ تبصرہ فرمایا کہ ''کیا یہ عبدیت کے بجائے خدا سازی کا پروگرام نہیں ہے، براہِ کرم اس کی قرآنی دلیل پیش کریں۔ یہ تصوف کی باقیات ہیں اور مزید غور و فکر کی متقاضی۔

اس تبصرہ کے متعلق کچھ تحریر کرنے سے پیشتر یہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ ہمیں اس بات پر اصرار نہیں ہوتا کہ ہم نے جو کچھ لکھا وہ درست ہی لکھا۔ البتہ اس بات پر ضرور اصرار ہے کہ جو کچھ لکھا وہ نہایت اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ لکھا۔ قرآن کریم ہاتھ میں ہو اور پھر بددیانتی سے لکھا جائے، اس کا تو کوئی خیال بھی نہیں آ سکتا۔

''واضح رہے کہ قرآن نے کسی جگہ ''انسانی روح'' کا ذکر نہیں کیا۔ ''روح خداوندی'' ہی کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ روح خداوندی (الوھیاتی توانائی) انسان کو عطا کر دی جاتی ہے، تو اس کو قرآن کی اصطلاح میں نفس کہا جاتا ہے''۔ 9-7:91، ماخوذ از لغات القرآن۔ جلد دوم، صفحہ 787۔

اس اقتباس سے واضح ہے کہ روحِ خداوندی اور نفسِ انسانی ایک ہی چیز ہے۔ ہمارے ہاں جو تصوف رائج ہے اس کی بنیاد روحِ خداوندی کے تصور پر ہے وہ نفس کو اہمیت نہیں دیتے ان کے ہاں صرف روحانیت کی اہمیت ہے اور اسی وجہ سے تصوف کی اساس ہی غیر قرآنی ہے، قرآن کریم میں ایک مقام پر **وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوْحِهٖ** (32:9)۔ ترجمہ: اور ''پھونکی اس میں اپنی ایک جان'' اور دو مرتبہ **وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِيْ** (15:29)۔ ترجمہ: اور پھونک دوں اس میں اپنی جان' آیا ہے۔ ان آیات کریمات سے ہمارے صوفیائے کرام یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے کچھ روح، جو اس کی ذات کا ہی ایک حصہ تھی انسان میں پھونک دی۔ اور اس طرح انسان خود اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک حصہ ہو گیا ہے۔ اس کو علمی اصطلاح میں وحدت الوجود کہتے ہیں۔ مولانا روم کی مثنوی شریف اِسی نکتہ کو بیان کرنے سے شروع ہوتی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
از جدائی ہا، شکایت می کند

ہماری اُردو اور فارسی کی ساری شاعری' وحدت الوجود سے متعلق اشعار سے بھری پڑی ہے اور اسی نکتہ کے گرد گھومتی ہے۔ غالب اِس کا سب سے بڑا داعی تھا۔

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

شیخ محمد علی حزیںؔ نے کہا تھا ''تصوف برائے شعر گفتن خوب است۔ ہم نے وحدت الوجود کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے آپ ملاحظہ فرمائیں کہ مشہور شاعر سرمد شہید اس کو کس طرح Sum up کرتا ہے' اور وحدت الوجود کے نظریہ کو کس خوبصورتی سے بیان کرتا ہے آپ اس کی یہ رباعی ملاحظہ فرمائیں اور اس کو Enjoy کریں۔

آنرا کہ سرِ حقیقتش باور شد
خود پہن تر ز سپہر پہناور شد
ملا گوید برشد احمد بفلک
سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

اِس میں برشد اور در شد کے الفاظ غور طلب ہیں۔

ہمارے علماء کرام رومی (اپنی جان) کو ترکیبِ اضافی قرار دے کر روح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ روح اور جسم کا مرکب بن جاتا ہے کہ اس کا کوئی ایک جسم ہے۔ اور اسی روح کو انسان کا حصہ بنا دیتے ہیں حالانکہ یہ وہ چیز ہے جس میں انسان کا مطلقاً کوئی حصہ نہیں ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہ روحی' ترکیب اضافی نہیں ہے بلکہ یہ ترکیبِ تشریفی ہے۔ قرآن کریم میں ایک مرتبہ ارضی 29:56' میری زمین اور دو مرتبہ بیتی 2:125' 22:26۔ میرا گھر استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ گھر یا زمین اللہ تعالیٰ کی ذات کا جزو ہیں بلکہ اس اضافت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اضافت دے کر' ان کے شرف اور عزت میں اضافہ فرمایا ہے۔

یہاں تک یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ روحِ خداوندی' اور انسانی ذات' ایک ہی چیز ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں خدا کا حصہ نہیں ہیں۔ لہٰذا صفاتِ خداوندی کو اپنی ذات میں نشو ونما دینے سے خدا سازی کا پروگرام بروئے کار نہیں آ سکتا۔

قرآنِ کریم کی رُو سے ہر انسان کو صفاتِ خداوندی کے تقاضوں کے مطابق بننا چاہئے۔ اپنے ظاہر و باطن دونوں میں خدا کی صفات کے تقاضوں کو دل و جان سے پورا کرے۔ ہمارے صوفیائے کرام وحدت الوجود کے زیر اثر خدا کی صفات کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بجائے خود خدا کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی ریاضت کا اصل مقصود عبدیتِ خداوندی نہیں ہوتا بلکہ خدا

کی صفات کا مظہر بننا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت علیم ہے۔ یہ صوفیائے کرام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ غیب میں جھانک سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شافی ہے۔ یہ بھی اس صفت کا مظہر بن کر' لوگوں کو جھاڑ پھونک کر' اور تعویزوں کے ذریعے شفاء دلاتے ہیں۔ ہمارے صوفیائے کرام کی جو بے شمار کرامتیں ہیں' وہ خدا کا مظہر بننے کے ثبوت کا دعاوی ہیں۔

عزیز مکرم' بزرگوار محترم کے اعتراض کے بارے میں ہمارے علم میں جو باتیں تھیں وہ عرض کر دی گئی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہماری گزارشات یہاں ختم ہو جاتی ہیں۔

البتہ اب ہم ان صفات کو ریاست سے Relate کرتے ہیں کہ ان صفات کا اسلامی ریاست سے کیا تعلق ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کی اساس صفاتِ خداوندی پر ہوتی ہے۔ یہی مستقل اقدار ہوتی ہیں' اور یہی حقوقِ انسانی ہوتے ہیں۔ ہر اسلامی ریاست کو عادل' رازق' حکیم' علیم' خبیر' قوی' عزیز' رحیم وغیرہ ہونا چاہئے۔ میری ذات کا بھی یہ تقاضہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے' عدل' علم' صبر' سماعت' بصارت وغیرہ سے کام لوں۔ میں جب ریاست کے اس فیصلہ کی اطاعت کرتا ہوں جو عدل پر مبنی ہے تو میری یہ اطاعت اس ریاست کی اطاعت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ میری ذات کے ایک تقاضہ کی اطاعت اور اس تقاضہ کو پورا کرنا ہو گا جس طرح پانی پینے سے میں کسی کی اطاعت نہیں کرتا' بلکہ اپنی ذات کا ایک تقاضہ پورا کرتا ہوں۔ اسی طرح جب اسلامی ریاست اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے تقاضہ کو پورا کرتی ہے' تو اس کی اطاعت میری اپنی ذات کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور اپنی ذات کا ایک تقاضہ پورا کرنا ہوتا ہے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کی صفات پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کو رازق' عادل' رحیم' کریم' رب جانتے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ عقیدہ صرف مجرد صفات (Abstract) پر ہے لیکن جب اسلامی ریاست اللہ تعالیٰ کی صفات کو رُو بہ عمل لاتی ہے' اور رزق فراہم کرتی ہے سب کی ربوبیت کرتی ہے' سب کے ساتھ عدل کرتی ہے۔ تو اس طرح صفاتِ خداوندی ایک محسوس مرئی' ٹھوس شکل میں سامنے آ جاتی ہیں۔ اور تمثیلاً اور تشبیہاً اِس طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ عالیہ کے ساتھ زمین پر آ کر نور فشاں ہو جاتا ہے اسلامی مملکت میں' اس کی اطاعت کرنے کی وجہ سے انسانی ذات کی نشو ونما از خود ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اس طرح انسانی ذات اور اسلامی معاشرہ کا تزکیہ ہوتا چلا جاتا ہے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جس طرح طبعی قوانین کا علم حاصل کر کے قوت حاصل کی جاتی ہے۔ اسی طرح وحی خداوندی کا علم' اور مستقل اقدار پر عمل کرنے سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ (11:66)۔ بے شک تیرا رب وہی ہے قوت والا اور غلبہ والا۔ جب اس صفتِ خداوندی کو منعکس کیا جائے گا تو لازم ہے کہ ریاست قوی اور غلبہ والی ہو گی۔ یہی وہ نظام ہے جو ظل اللہ فی الارض ہوتا ہے۔ اس نظام کی تعریف کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا لقد ترکت علی مثل البیضاء لیلھا و نھارھا سواء۔ میں تم میں وہ ملتِ بیضاء چھوڑ کے جا رہا ہوں جس کی رات اس کے دن کی مانند روشن ہوتی ہے۔ لیکن آج اس بدنصیب قوم کا دن بھی رات کی طرح تاریک ہے۔

ہزار بارہ سو سال کے دوران ہزاروں تفاسیر تحریر کی گئی ہیں۔ یہ مختلف نقطہ نگاہ سے لکھی گئیں۔ فلسفہ و منطق اور معقولات کی رو سے تفسیر کبیر تحریر کی گئی۔ جلالین میں قرآن کریم کے الفاظ کے مترادفات جمع کئے گئے ہیں۔ عربی قواعد حل کرنے کے لئے بیضاوی شریف لکھی گئی۔ فیضی نے ایک تفسیر ''سواطع الالہام'' نام کی تحریر کی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی منقوط حرف نہیں آنے دیا لیکن افسوس کہ کسی مفسر نے صفاتِ خداوندی کی طرف توجہ نہیں دی۔ ہمارے مفسرین نے ان صفات خداوندی کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ صفات خداوندی کا سابقہ آیت سے ربط ہی نہیں دیئے۔ اس کو صرف صفت کے طور پر الگ لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صفات اس سابقہ آیت کے مفہوم کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہیں۔ تحریک طلوع اسلام وہ پہلی تحریک ہے جس نے ان صفات کی اہمیت کو Detect کیا۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ کوئی قرآنی عالم صفاتِ خداوندی کا گہرا مطالعہ کرے ان کا ربط آیات سے واضح کرے پھر اس کے مفہوم کو اسلامی ریاست سے Relate کر کے دکھائے۔ جس طرح قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں اور ریاست خود جزئیات مقرر کرتی چلی جاتی ہے اسی طرح صفات خداوندی میں بھی ہوتا ہے۔ حالات کے تقاضوں کے مطابق کس صفت کو کتنی حد تک ظہور میں لایا جائے۔ یہ بات اسلامی مملکت اپنے حالات کے مطابق خود طے کرتی ہے۔ ریاست کا یہ کام بھی ہوگا کہ وہ ہر حکم کو جاری کرتے ہوئے یہ بتائے کہ یہ حکم خدا کی فلاں صفت کا تقاضہ پورا کرتا ہے۔ اس طرح ہر شہری کو یہ محسوس ہوگا کہ وہ اس حکم کی اطاعت کے اندر اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھ رہا ہے۔ احادیث میں اسی چیز کو احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا وہ شہری اللہ کی اطاعت اس طرح کرتا ہے جس طرح بندہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ بندہ کا خدا کو دیکھنے کا یہی مفہوم ہے۔ اسلامی ریاست جو احکام جاری کرتی ہے پھر ہر حکم کے اندر اس کو خدا کی صفت کا جو عکس نظر آئے گا تو وہ شہری یہ محسوس کرے گا کہ خدا کی آنکھیں مملکت کے ذریعے اسے دیکھ رہی ہیں اور اس کی ہر لحہ نگرانی کر رہی ہیں۔ اس سے اس شہری کو تقویت ملتی ہے اور اس سے تشویق ہوتی ہے۔

اگرچہ یہ کام ریاست کے کرنے کا ہے یا ان علماء کا جو تفسیر تحریر کرتے ہیں۔ لیکن ان دونوں سے کوئی توقع نہیں۔ ریاست کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک قبرستان ہے۔ علماء کرام کو اس اس کام کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ یہ کام تو تحریک طلوع اسلام سے منسلک عالم ہی کر سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں شیخ اللہ دتا صاحب یہ کام کر سکتے ہیں۔ یہ کام بہت مشکل بھی ہے اور محنت طلب بھی اگر شیخ صاحب اس کام کو شروع کرنے کا ارادہ فرمائیں تو پہلے پارے کی صفات پر کام کر کے ہم روانہ کر دیں گے۔ یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ صفاتِ خداوندی پر اس طرح سے کام کرنے سے قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت مہیا ہوگا۔ اتنا مضبوط اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ والسلام

حسن والے حسن کا انجام دیکھ
ڈوبتے سورج کو وقتِ شام دیکھ

☆.....☆.....☆

آصف جلیل

قرآنی فکر

جولوگ روایتی مذہب کو چھوڑ کر قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کو مخالفین مختلف ناموں سے پکارتے ہیں لیکن عام طور پر وہ خود کو قرآنی فکر کا حامل قرار دیتے ہیں۔ علامہ پرویزؒ کے ہم عصر اور ان سے پہلے بھی لوگوں نے روایات سے پاک قرآن کریم کی تشریح وتفسیر کی ہے۔ لیکن اس کے لئے باقاعدہ منظّم کوشش پرویز صاحب نے ہی کی ہے۔ اس کے لئے ادارہ طلوع اسلام کی بنیاد رکھی گئی جس کے زیرادارت بزمہائے طلوع اسلام قائم ہوئیں جو آج بھی پاکستان کے متعدد شہروں کے علاوہ دنیا کے بعض ممالک میں موجود ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کرنا ہے جس کے لئے تمام تر مواد پرویزؒ صاحب کے آڈیو ویڈیو درسوں اور ان کی کتابوں کی شکل میں دستیاب ہے۔ یہ سلسلہ گزشتہ تقریباً ساٹھ سال سے جاری ہے۔ پرویزؒ صاحب کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے اپنی علیحدہ تنظیمیں قائم کرنے کی کوشش کی جن میں سے کچھ ختم ہوگئیں اور کچھ موجود ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کے نام پر بھی فرقہ واریت کی بنیادیں رکھی جارہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم پر کسی کا حق ملکیت نہیں ہے نہ کسی کو اس کی تفسیر وتشریح سے روکا جاسکتا ہے۔ لیکن جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ فرقوں کی بنیاد روایت اور فقہ ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ فرقے تو قرآن کی بنیاد پر بھی بن جاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو قرآن کریم نے تمام اختلاف ختم کرنے کا واحد حل یہی بتایا ہے کہ قرآن کریم کو معیار بنالیا جائے تو پھر یہ علیحدہ پلیٹ فارم کیوں وجود میں آگئے؟

اس کا جائزہ لینے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کی وجہ قرآن کریم کے کسی نہ کسی اصول کی خلاف ورزی ہے۔ ادارہ طلوع اسلام سے اختلاف کرنے والے یا اسے چھوڑ کر دوسری تنظیموں کو قائم کرنے والے یا ان میں شامل ہونے والے دو طرح کے ہیں۔ ایک طبقہ نظریاتی طور پر تو اتفاق کرتا ہے لیکن ان کے خیال میں ادارہ طلوع اسلام کے طریقہ کار میں خامی ہے جس کی وجہ سے قرآنی نظام متشکل نہیں ہوسکا۔ اس کے لئے ہر کوئی تجاویز دیتا رہتا ہے کہ اسکول قائم کرنے چاہئیں یا فلاحی کام کرنے چاہئیں جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہ تجاویز پیش کرنے والوں نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ ان کاموں کے لئے جو بہت زیادہ سرمایہ درکار ہے وہ کہاں سے آئے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ کیا ایسے کام کرنے سے لوگ واقعی قرآن کریم کو سمجھنا شروع کردیں گے؟ کچھ لوگ تحریک طلوع اسلام کو ایک سیاسی جماعت میں بدلنے کی بات کرتے ہیں۔ اکثر یہ مشورے دینے والے کسی بزم کے رکن بھی نہیں ہوتے یا پھر اسی وجہ سے وہ اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے اگر ان کے نزدیک ان کا بتایا ہوا طریقہ کار قابل عمل ہے تو انہیں کس نے اس پر عمل کرنے سے روکا ہے۔ ابھی حال

ہی میں اس بنیاد پر ایک سیاسی جماعت نے جنم لیا اور وہ ابھی اپنے پاؤں پر کھڑی بھی نہ ہو سکی تھی کہ وہ اپنی موت آپ مر گئی۔ لیکن بعض اوقات لوگ غلطی کا نتیجہ آنے پر بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتے کہ انہوں نے غلطی کی ہے۔

اگر ان احباب نے قرآن کریم کے طریقہ کار کو ذہن میں رکھا ہوتا تو وہ کوئی ایسا قدم ہی نہ اٹھاتے۔ قرآنی نظام کے لئے اسی کے بتائے ہوئے طریقہ کار پر عمل کرنا لازمی ہے ورنہ ناکامی ہی ہوگی۔ یہ طریقہ کار مرحلہ وار ہے اور اس میں تسلسل ہے۔ یہ سیڑھی کی طرح ہے جس پر ایک ایک کر کے قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر درمیان میں سے چڑھنے کی کوشش کی جائے گی تو گر جائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ انسانوں کے نفوس میں تبدیلی لائے بغیر کچھ بھی تبدیل نہیں ہوگا۔ یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں قائم نہیں ہوگا جو اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اسے دنیا کے تمام نظاموں کی طرح بزور طاقت، دھوکہ دہی اور جھوٹے خواب دکھا کر یا کچھ گروہوں کے گٹھ جوڑ سے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں کوئی شارٹ کٹ ہو نہیں سکتا۔ جس طرح کوئی چند اینٹیں جمع کر کے عمارت کھڑی نہیں کر سکتا اسی طرح چند متفق افراد کو ساتھ لے کر یہ نظام نہیں قائم ہو سکتا۔ ایسے لوگ خیالوں کی دنیا میں رہتے ہیں، حقیقت سے بے خبر ہیں۔ نامعلوم انہیں کس بات کی جلدی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے کہیں لکھا ہے کہ تم جلد از جلد یہ نظام قائم کرو چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے؟ جب تک سب سے پہلا مرحلہ مکمل نہ ہو دوسرا قابل عمل ہو نہیں سکتا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہی ہے کہ لوگوں کی بڑی اکثریت اس پر ایمان لے آئے چاہے یہ کام چند سالوں میں ہو یا ہزاروں سالوں میں، اس کے بغیر اگلا مرحلہ آ ہی نہیں سکتا ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو سمجھتا ہے کہ پرویزؒ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اب وہ حالات کا ساتھ نہیں دیتا اور اس نظریاتی اختلاف کی وجہ سے انہوں نے علیحدہ پلیٹ فارم بنا لیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اختلافی نظریات ان امور کے بارے میں ہیں جن کا تعلق نظام مملکت کی جزئیات سے ہے۔ صلوٰۃ، زکاۃ، صوم اور حج کی جزئیات طے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ کار دیا ہے اس کے مطابق یہ قرآنی مملکت کی مجلس شوریٰ کی ذمہ داری ہے نہ کہ کسی ایک فرد کی۔ یہ جزئیات محض نظریاتی طور پر بیان کرنے کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ مملکت میں ان کو نافذ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر یہ کام کرنے سے صرف اختلافات ہی بڑھتے ہیں اور اصل مقصد سے انحراف ہوتا ہے۔ معاشرے میں اسلام کے نام پر جن رسومات پر عمل ہو رہا ہے ان کے خلاف لکھ کر لوگوں کی سوچ نہیں بدل سکتی۔ اگر یہ کام قرآن کریم کے نام پر ہو رہا ہو تو لوگ یہ رسومات تو چھوڑتے نہیں الٹا وہ قرآن کی طرف آنے کو تیار نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے یہ کام بھی قرآن کریم کے طریقہ کار کے مطابق کرنا ضروری ہے اور اس سے انحراف کرنے سے فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ جو کام مملکت کی ذمہ داری ہیں اگر کوئی فرد انفرادی طور پر سرانجام دینے کی کوشش کرے گا تو اسے ناکامی تو ہوگی مگر وہ بالواسطہ طور پر قرآن کریم کی طرف لے جانے کے راستے میں روکاوٹ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم کے قوانین کا زیادہ تر حصہ مملکت سے متعلق ہے۔ جو کچھ انفرادی طور پر کرنا ضروری ہے اس کا تعلق افراد کی تربیت سے ہے جو بعد میں مملکت کے قیام کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ایسے افراد کی عدم موجودگی میں قرآنی مملکت وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔ اس لئے اس مرحلے کو پس پشت ڈال کر لوگ ان نظریات کے پرچار میں لگ جاتے ہیں جن کا تعین قرآنی مملکت کی شوریٰ نے

طے کرنا ہے اور انہیں کو نافذ کرنا ہے۔ اس وقت لوگ ایسے امور پر عمل کرتے ہیں، ان پر بحث مباحثہ نہیں کرتے۔ کچھ اسی طرح کا کام فقہ نے کیا۔ انہوں نے جو قوانین مرتب کئے ان پر اس دور کی حکومتوں نے پوری طرح عمل درآمد تو نہیں کیا البتہ کتابی شکلوں میں لوگوں کے درمیان آج تک وجہ اختلاف بنی ہوئی ہیں۔ ان میں آپ کو کسی مملکت کی معیشت، سیاسی یا معاشرتی امور سے متعلق بہت کم ملتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ جانے بغیر کہ قرآنی نظام کیوں قائم نہیں ہو رہا، مایوس ہو کر ایسے مفکروں کے گرویدہ ہو گئے ہیں جو بظاہر مذہب سے متنفر ہوتے ہیں مگر قرآن کریم کو بھی ناقابل عمل قرار دے کر انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں کی حمایت میں لگ جاتے ہیں۔ یہ بات ان کا ذہن قبول نہیں کرتا کہ آج تک انسانوں کا بنایا ہوا کوئی قانون ایسا نہیں ہے جو دنیا کے تمام لوگوں کے لئے ہو۔ جن ممالک کے نظام بہتر ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ کسی حد تک قرآنی قوانین سے ہم آہنگ ہیں۔ لیکن چونکہ وہ مکمل طور پر قرآنی نظام پر نہیں چل رہے ہوتے اس لئے انہیں بہترین قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی علاقائی حدود سے نکل نہیں سکے جبکہ قرآن کریم کا نظام کسی مخصوص گروہ یا ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ ان سے بات کریں تو کہتے ہیں کہ ہم قرآن سے آگے نکل گئے ہیں۔ جو لوگ قرآن کریم کے قریب ہی نہیں پہنچے وہ اس سے آگے کہاں جائیں گے۔ حقیقت کو چھوڑ کر سراب کی طرف لپکنے والا ہمیشہ بھاگتا ہی رہتا ہے لیکن اسے منزل کا پتہ نہیں ہوتا۔ اس کا ذہن ایسے سوالات کا جواب تلاش کرنے میں تاحیات مصروف رہتا ہے جن کا جواب نہیں مل سکتا۔ جیسے جیسے علم کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے ایسے سوالات کی تعداد میں بے انتہا اضافہ ہو رہا ہے جن کا ایک ہی جواب ہے کہ مجھے نہیں پتہ۔ جو شخص اس کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا وہ کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ نہیں ماننے کو تیار ہوتا مگر بے شمار انسانوں کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات کو الٰہ بنا لیتا ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تو چاہتے ہیں کہ اسے قرآن کے ذریعے بلندیوں پر لے جائیں مگر یہ اپنے جذبات کے اتباع کی وجہ سے پستیوں میں گر گیا ہے۔

اگر دیکھا جائے کہ جو لوگ جلد بازی کے سبب یا کسی اور وجہ سے قرآن کریم کے بتائے ہوئے بنیادی عمل کو چھوڑ دیتے ہیں وہ اس نظام کے قیام میں روکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ یہ سب لوگ اگر مل کر جدوجہد کرتے تو ان کی صلاحیتیں اور وسائل یکجا ہو کر اس عمل کو تیز کر دیتے۔ یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ کیا کیا جائے؟ اس کا جو جواب میری سمجھ کے مطابق مجھے قرآن کریم سے جو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں نظریاتی بحثوں کو چھوڑ کر سب سے پہلے قرآن کریم کے ان احکامات کو جاننا چاہئے جن پر انفرادی طور پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ جیسا کہ مملکت کا آئین ہوتا ہے اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری بھی دی گئی ہوتی ہے۔ پورے کے پورے آئین پر عوام کا عمل کرنا ضروری نہیں ہوتا نہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں بھی زیادہ تر امور مملکت سے متعلق ہیں جو عوام الناس کے لئے نہیں ہیں۔ قرآنی مملکت کے قیام سے قبل، انفرادی طور پر جن باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے اور جن سے بچنا ضروری ہے انہیں علمی انداز میں یکجا کرنے کی کوشش ہونا چاہئے۔

☆.....☆.....☆

قرآنی پمفلٹس

صحیح قرآنی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے میں قرآنی فکر پر لکھے گئے چھوٹے پمفلٹس نے بھی بہت ہی اہم اور کامیاب کردار ادا کیا ہے۔ احباب اِن پمفلٹس کا خود بھی مطالعہ کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو تقسیم بھی کرتے ہیں اس لئے اِن کی قیمت اصل لاگت سے بہت ہی کم رکھی جاتی ہے۔ جبکہ کچھ صاحب ثروت احباب اِس کمی کو اپنے عطیات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں چونکہ یہ سلسلہ ابھی بھی محدود پیمانے پر جاری ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اِس سلسلہ کو مزید بہتر کیا جائے لہٰذا صاحب ثروت حضرات سے مزید عطیات کی درخواست کی جاتی ہے کہ وہ قرآنی فکر کے کام میں مزید وسعت پیدا کرنے میں ہماری مدد کریں اور اپنے عطیات ''پمفلٹس فنڈ'' کے لئے بھجوائیں تاکہ پمفلٹس کی طباعت اور دوسروں تک قرآنی فکر کو پہنچانے میں ہم کامیابی حاصل کرسکیں۔

ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کی کل آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے

رقم بذریعہ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ بنام ادارہ طلوع اسلام B-25 گلبرگ 2' لاہور ارسال فرمائیں۔
بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 برانچ کوڈ 0465 نیشنل بنک آف پاکستان۔ مین مارکیٹ گلبرگ' لاہور۔

سانحہ ہائے ارتحال

گذشتہ عید الضحیٰ کے موقعہ پر نمائندہ بزم طلوع اسلام' ناروے' ادارہ طلوع اسلام کے قدیمی رفیق محترم بشیر بٹالوی صاحب بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ مرحوم فکرِ قرآنی کے عاشقِ صادق اور نہایت اعلیٰ کردار کے مالک تھے' جس کی ایک جھلک طلوع اسلام کے اسی شمارے میں محترم شیخ اللہ دِتا صاحب کے تعزیتی نوٹ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ میر تقی میر کا یہ شعر ان پر صادق آتا ہے کہ

مت سہلِ ہمیں جانو' پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے ''انسان'' نکلتا ہے

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ادارہ مرحوم کی فیملی' اعزہ اور اقرباء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

☆.....☆.....☆

گذشتہ دنوں اطلاع موصول ہوئی کہ راولپنڈی کی بزمِ طلوع اسلام کے نمائندہ محترم ملک محمد سلیم صاحب کی اہلیہ محترمہ انتقال فرما گئی ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور محترم ملک محمد سلیم صاحب' ان کے بچوں اور دیگر اعزہ واقرباء کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ضرورت رشتہ

ایک بیٹی عمر 32 سال' تعلیم ایف ایس سی قرآنی گھرانہ قرآنی تربیت' قرآنی فکر کے حامل نوجوان سے رشتہ کرنا مقصود ہے۔ ایک اور بیٹی عمر 30 سال' تعلیم ایم اے اسلامیات' ایم اے عربی' پی ایچ ڈی (عربی لسانیات) ملازمت اٹھارہواں گریڈ انیسویں گریڈ میں ترقی ہونے والی ہے۔ قرآنی گھرانہ قرآنی تربیت' قرآنی فکر کے حامل نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ :0300-4335376

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حافظ غلام مرشد مرحوم، سابق خطیب شاہی مسجد، لاہور

اول قسط

علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں

(مولانا) حافظ غلام مرشد تحریکِ پاکستان کے ان بلند مرتبت کارکنوں میں سے تھے جنہیں علامہ اقبال اور قائداعظم علیہم الرحمتہ کا اعتماد اور تقرب حاصل تھا۔ تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جب جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو مولانا شبیر عثمانی کی علالت کے باعث قائداعظمؒ نے غلام مرشدؒ کو اس علماء اسلام کانفرنس کے افتتاحیہ خطبہ دینے کے لئے منتخب کیا۔ (مولانا) غلام مرشد نے پچاس سال تک لاہور میں درسِ قرآنِ کریم دیا۔ ذیل میں علامہ اقبالؒ سے ان کی چند ملاقاتوں کا احوال درج کیا جا رہا ہے جو انہوں نے قلم بند کرائی تھیں اور کئی عشرے پہلے فنون اور نقوش میں شائع ہوتی رہیں۔ (مدیر)

خاکسار کو علامہ اقبالؒ کی زیارت کا شرف اس تعلیمی زندگی میں حاصل ہو چکا تھا۔ جو اکتوبر ۱۹۱۴ء تک درس نظامی اور مولوی فاضل کے نصاب میں مہارت پیدا کرنے کے لئے گزرا جو پنجاب یونیورسٹی کا اس وقت مروجہ سلیبس تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے میں نے کام کیا جس کی تدریس کا فرض یونیورسٹی نے اورینٹل کالج کے سپرد کیا ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور دارالعلوم نعمانیہ ہند کے صدر مدرس (پرنسپل) مولانا غلام رسول صاحب گجراتی اور مدرسہ حمیدیہ کے پرنسپل مولانا محمد ذاکر صاحب بگوی اور مفتی عبداللہ ٹونکی کی خاص توجہ اور التفات سے دونوں کام پایہ تکمیل کو متوقع عزت کے ساتھ پورے ہوئے اور فاضلیت کی سندیں حاصل کیں اور ۱۵۔۱۹۱۴ء کو دورہ حدیث کی سند حاصل کرنے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ اس وقت وہاں کے صدر مدرس **شیخ الہند مولانا محمود حسن** تھے۔ اس کے بعد وہ اپنی حریت پسندی کی وجہ سے اسیر مالٹا ہو گئے۔ وہ دورہ حدیث کے قابل اعتماد تلامذہ سے انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کی بیعت لیتے تھے۔ سالانہ امتحان میں اللہ کے فضل و کرم سے نہ صرف فرسٹ رہا۔ بلکہ ایک ریکارڈ قائم کر دیا یہ مستند ترین سندیں حاصل کرنے کے بعد اجمیر شریف میں جو نظام حیدر آباد (دکن) نے دارالعلوم قائم کیا اور جس کے وائس چانسلر نظام دکن کی طرف سے مولانا انوار اللہ مدار المہام امور مذہبیہ تھے اور پرنسپل مولانا معین الدین تھے۔ علمائے خیر آباد میں مولانا عبدالحق خیر آبادی جو مولانا فضل الحق خیر آبادی جو جنگ آزادی میں گرفتار ہوئے اور جن کو دریائے شور کی سزا ملی اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی ساری علمی وراثت اور ہزاروں احترام کے قابل حضرت مولانا ابوالبرکات ٹونکی، انہوں نے فلسفہ قدیم، ہیئت، اقلیدس اور منطق کی تمام قلمی اور غیر قلمی کتابیں یونیورسٹی کے سپرد کر دیں۔ جو حیدر آباد (دکن) کے کتب خانے میں تھیں میں نے دو سال وہاں رہ کر عقلیات کے اس نصاب کو مکمل کیا اور سالانہ امتحان میں فرسٹ آیا۔ اور ممتحن اعلیٰ ابوالبرکات ٹونکی صاحب نے میرے پرچے پر یہ سنہری حروف رقم فرمائے کہ اگر

امتحان کا قانون مقرر کئے ہوئے نمبروں سے زیادہ نمبروں کی اجازت دیتا تو میں اس طالب علم کو بجائے سو نمبروں کے ۱۱۰ (ایک سو دس) نمبر دیتا۔ وہاں سے فراغت کے بعد اپنے مرحوم والد کی اس وصیت پر عمل کیا' جو میری ایک سال کی عمر میں انہوں نے اپنے مرشد کامل خواجہ اللہ بخش صاحب تونسویؒ سے یہ کہا تھا کہ میں اپنے لڑکے کو انگریزی حکومت کے کسی محکمے میں خصوصاً فوج میں بھرتی نہیں کراؤں گا۔ اور آپ کے اس ارشاد کے مطابق کہ خواستہ حرام ناخواستہ حلال کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی حاصل کردہ تعلیم کا کسی پرائیویٹ درس گاہ میں درس دوں گا۔ چنانچہ پہلے سیال شریف ضلع سرگودھا میں جو ضیاء العلوم کے نام سے درس گاہ قائم تھی۔ حضرت خواجہ اللہ بخشؒ کے جانشین حضرت حامد میاں کے حکم کے مطابق درس دیا۔ پھر انہیں کے حکم سے سورکی' تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا میں اپنے مرحوم و مغفور کے وفات پا جانے کی وجہ سے ان کے عزیزان کی تعلیم کی تکمیل کے لئے وہاں درس دیتا رہا۔ اس درس گاہ کو اس وقت خدا نے بہت عزت بخشی کہ شمالی ہندوستان کے بہت سے طالب علم داخل ہوئے اور دورہ حدیث کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ یہاں رہ کر خلیفہ شجاع الدین مرحوم ومغفور کی ترغیب پر آل انڈیا مسلم لیگ کا ممبر ہوا اور جمعیت العلمائے ہند دہلی کی طرف سے صوبائی جمعیت کا صدر مقرر ہوا اور پنجاب خلافت کمیٹی کا وائس پریذیڈنٹ ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری کے بعد منتخب کیا گیا۔ جس کے پریذیڈنٹ مولانا عبدالقادر قصوری تھے۔ جو مسٹر محمود علی قصوری بیرسٹر کے والد ماجد تھے اور ملک لال خان مرحوم جس کے سکریٹری تھے۔ یہ کمیٹی ستم رسیدہ ترکوں کی حمیت و امداد کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اور جس گہری اور بدتر چال سے ٹرکی کا عروج ختم ہوا وہ ظاہر تھی۔ اسی انگریز نے خلافت کمیٹی کو ناکام بنانے کے لئے یہاں معززین کو انعامات اور خطابات کے لالچ دے کر خرید لیا۔

اور ان خرید شدہ بزرگوں نے سول اور ملٹری گزٹ میں ان کی طرف سے اس قسم کے مضامین شائع کرنے شروع کر دیئے کہ قریشیوں کے سوا اسلامی خلافت کا کوئی حقدار نہیں۔ یہاں تک کہ اس اخبار نے خود بھی ایسے افتتاحیئے اور شذرات لکھنے شروع کر دیئے جن کا عنوان ''الائمۃ من القریش'' ہوتا کہ پیغمبرؐ کا اعلان موجود ہے کہ میرے بعد خلیفہ اور امام قریشی ہوں گے۔ پنجاب کمیٹی کے موجودہ صدر نے مجھے یاد فرمایا کہ ہماری تحریک کو ناکام بنانے کی جو انگریز نے سازش شروع کی ہے کیا آپ اس روایت کا تجزیہ کریں گے۔ میری اطلاع دینے پر کمیٹی نے بھاٹی دروازہ کے باہر ایک پبلک جلسے کا اعلان کر دیا اور میں نے اللہ کی توفیق سے اس پبلک جلسے میں تقریر کی۔ یہ میری پہلی سیاسی تقریر تھی۔ اور اخبار زمیندار کے نمائندوں کے سوا دوسرے اخباروں کے نمائندے بھی موجود تھے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ کا نمائندہ بھی شامل تھا اور مسلمانوں کا انگریزی اخبار مسلم آؤٹ لک' جو مولانا عبدالحق کی زیر قیادت نکل رہا تھا۔ اس کے نمائندے بھی شامل تھے۔ اسے تاریخی اجلاس کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ خاکسار نے اس پرامن جلسے میں اس حدیث کا پورا تجزیہ کیا اور ثابت کیا کہ یہ حدیث نہ روایتاً صحیح ہے نہ درایتاً صحیح۔

۱۔ یہ الفاظ صحیح بخاری اور مسلم میں موجود نہیں اور جن صحیحین کے سوا جن بزرگ محدثین نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ ان کی سندوں کے جو سلسلے بھی بیان کئے ہیں۔ ہر سلسلے میں کوئی نہ کوئی بدترین کذب (جھوٹ) کا مرتکب ہے' روایت کا تو یہ

حال ہے۔

۲۔ دراینا کہ قرآن نے مسلمانوں کو اعلیٰ اقتدار امامت' امارت اور خلافت کی بشارت دی ہے۔ اس میں ہاشمیت اور قریشیت کی کوئی تمیز نہیں (سورہ چوبیس' آیت پچپن' پارہ اٹھارہ رکوع تیرہ) اور جن بزرگ مسلمانوں نے قریشیت کو خلافت کی شرط قرار دیا ہے۔ جو اپنے دور میں بہت معزز و محترم محقق سمجھے جاتے تھے۔ اور بڑی بڑی عقائد کی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ حضرت علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد سے کون بے خبر ہے اور میر سید شریف جرجانی کی شرح مواقف سے اور حضرت شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ البالغہ سے کون ناواقف ہے بلاشبہ انہوں نے اپنی کتابوں میں شرائط خلافت کے متعلق جو لکھا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ قریشی ہو مگر یہ حضرات خود یہ نظریہ اپنے دور کی غیر قریشی حکومتوں کے دوران میں کیوں نہ پیش کر سکے۔ (حجتہ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۱ جلد دوم)۔

۳۔ ان ترکوں کی شرافت اور دیانت کا وہ حال ہے کہ انہوں نے ترکی میں اپنے دور کے بہت بڑے مجاہد عثمان کے عہد میں حکومت عثمانیہ کی بنیاد رکھی اور اقتدار اعلیٰ کے مالک ہو گئے۔ مگر جب تک کہ حکومت عباسی کا دور قائم رہا۔ وہ انہیں خلیفہ تسلیم کرتے رہے اور سلیم الاول کے دور میں تمام اسلامی سلطنتوں نے ان کو خلافت کا اعزاز بخشا۔ یہ واقعہ مئی ۱۵۱۲ء کو پیش آیا۔ عثمان کے اقتدار کی بنیاد ۲۷ ستمبر ۹۹ء کو پڑی..... پھر ان کے اسی اعزاز کی خاطر مسلمان اپنے جمعوں اور عیدین کے خطبوں میں انہیں کا نام لے کر ان کی فتح و کامرانی کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔

اس پہلی سیاسی تقریر کے بعد علامہ اقبال نے اس خاکسار کو یاد فرما کر شاباش دی اور میری پورے مجمع کے سامنے یہ پہلی ملاقات تھی۔

(۲) دوسری اہم ملاقات کا شرف تقریباً سال بھر کے بعد ہوا۔ علامہ اقبال نے اس خاکسار کو علامہ سے والہانہ عقیدت مندی رکھنے والے مسٹر محمد دین تاثیر (جو بعد میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے پرنسپل مقرر ہوئے تھے) کے ذریعہ بلوا بھیجا' علامہ اقبال کو ڈاکٹر تاثیر سے پر خلوص محبت تھی اور اگر یہ کسی وجہ سے ان کے پاس نہ جاتے تو ان کو بہت بے چینی ہوتی تھی۔ خاکسار نے کناری بازار کی اونچی مسجد میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو قرآنی ہدایات کا درس دینا شروع کیا ہوا تھا۔ اور انہیں اجازت دے رکھی تھی کہ انہیں جو شبہات قرآنی تعلیم کے متعلق پیش آئیں۔ انہیں درس کے اختتام کے بعد پیش کریں۔ چنانچہ انہوں نے ماسٹر عبداللہ چغتائی اور ڈاکٹر نذیر احمد پنشنر گورنمنٹ کالج کے ساتھ مل کر قرآن کریم کی کتابت کے متعلق سوال پیش کیا۔ خاکسار تقریباً ایک ہفتے تک اس سوال کا جواب دیتا رہا اس علمی گفتگو کا علم علامہ اقبالؒ کو ڈاکٹر تاثیر کے ذریعے ہو گیا اور اپنے حاضرین مجلس کے سامنے اپنے مخلص احباب کی موجودگی میں یہ بحث شروع ہو گئی۔ خاکسار نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کا جواب عرض کیا۔

۱۔ قرآن کریم نے کتابت کے جتنے لوازم ہیں۔ انہیں ذکر کر دیا ہے۔ جو آج تک تسلیم کئے جاتے ہیں۔ قلبی خیالات و معلومات کو قلم کے ذریعے قلم بند کرنا (سورہ نمبر ۹۶ آیت نمبر ۴' ۵) یعنی جس خدا نے تم پر قرآن کریم ایسی انمٹ کتاب بھیجی ہے۔ اسے قلم

بند کرنے کے لئے قلم بھی عطا فرمایا۔ اوران آخری مکمل اور واضح ہدائتوں کو قلم بند کرنے کے لئے کاغذ سے بھی نوازا اوران کے قلم بند کرنے کے لئے خوبصورتی کے لئے سیدھی لائنوں میں لکھنے کے اسباب بھی فراہم کر دیئے (سورہ نمبر ۵۲ آیت نمبر ۲۔۳ کتاب مستور فی رق منشور) اوران انمٹ ہدایات خداوندی کہ تمہیں پوری طرح پڑھانا اور یاد کرانا ہی نہیں ہے۔ بلکہ ان کو ترتیب وار لکھوانا اور تفصیلات بیان کرنا بھی ہے (سورہ نمبر ۷۵ آیت نمبر ۱۷۔۱۸۔۱۹) اسی ''رق منشور'' کی تفسیر ایک ایسے لفظ سے کی جو آج تک مروج ہے قرطاس ابجد (سورۃ نمبر ۶ آیت نمبر ۷)۔

۲۔ قیصر وکسریٰ وغیرہ کی حکومتوں نے جو کھلی تجارت کی تحریری اجازت جو حضرت ہاشم کے چاروں بیٹوں کو دے رکھی تھی وہ بھی قلموں سے لکھی ہوئی تھی اوراس دور کے مروجہ کاغذوں پر لکھی ہوئی تھی اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو نبوت ورسالت سے نوازا جانے سے پہلے بیس برس کی عمر میں بنی قیس اور بنی کنانہ میں جو جنگ ہوئی جسے حرب فجار کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو معاہدہ طے پایا تھا۔ جو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معاہدہ بھی قلم سے لکھا گیا تھا۔ اس معاہدے میں آپؐ نے نہ صرف شرکت فرمائی۔ بلکہ اس معاہدے کا مضمون بھی تیار فرمایا۔ جس کی دو شقیں بہت مشہور ہیں۔ فریقین میں ہر ایک فریق جو حرب فجار میں شامل ہوئے تھے وہ مظلوم کی حمایت کرے اور دوسری شق اس معاہدے کو توڑنے والے اور ظلم وستم کرنے والے کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا جائے۔ آپؐ نے رسالت اور ختم نبوت سے نوازے جانے کے بعد کئی بار اس معاہدے کا تذکرہ فرمایا۔ نہ صرف تذکرہ فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ان شرائط پر آج بھی اگر کوئی مجھ سے معاہدہ کرنا چاہے تو میں تیار ہوں (طبقات ابن سعد) پھر جب مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ تو وہاں کے امن پسند قبائل سے تحریری معاہدے کئے اور صلح حدیبیہ کے معاہدے کو کون نہیں جانتا جو ۶ھ میں ہوا۔ یہ بھی کاغذ پر تحریر تھا۔ پھر صلح حدیبیہ دو درجن کے قریب کسریٰ وقیصر اور دوسرے سلاطین کو گرامی نامے لکھے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی ان کے لئے تو کاغذ مل گیا۔ نہیں ملا تو قرآن کے لکھنے کے لئے۔ نیز حضورؐ کی تشریف آوری سے قبل جب تمام عرب کا ایک بڑا اجتماع حج کے موقع پر ہوا۔ جس میں زمانہ جاہلیت کے قصیدوں کا انتخاب کیا گیا۔ سات قصیدوں کا انتخاب کیا گیا جن میں پہلا قصیدہ امراؤالقیس کا ہے۔

۳۔ علامہ ابن ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں اپنے پہلے مقالے کے پہلے فن میں ایک عنوان لغات الامم میں العرب والعجم واکلامہا وانواع خطوطہا واشکال کتابات ہا قائم کیا۔ جس میں اس نے ثابت کیا ہے مختلف حالتوں میں اور سائزوں میں ہزاروں سال سے قسم قسم کے کاغذات موجود تھے۔ ان میں مصر کے ترقی یافتہ کاغذ کی نوعیت پر اچھی بحث کی ہے۔ ایرانیوں اور رومیوں نے اپنی ذلیل ترین شکستوں کا انتقام لینے کے لئے اسلام کا لباس اوڑھ کر اس قسم کی حدیثیں وضع کرنی شروع کر دیں کہ عام لوگ ان متضاد روائتوں سے متاثر ہو کر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاتم الکتب قرآن مجید کی عظمت ان کے دلوں سے اٹھ جائے۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس، فون نمبر، ای میل یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ احمد نواز خان۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز جمعہ	3PM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-8357302 Email: dr.inam57@gmail.com		
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
بونیر	حجرہ حفیظ الرحمٰن۔ کس کورونہ۔ طوطالئی۔ ضلع بونیر۔ رابطہ قاسم خان: 0314-9911900 رابطہ حفیظ الرحمٰن: 0314-9508409 - 0313-9471294 Email: hafeez_patriot@hotmail.com	ہر ماہ پہلا اتوار	صبح 9 بجے
پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر۔ تحصیل کبیر والا فون نمبر: 0345-7385320	بروز جمعہ	3PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130	ہر بدھ اور اتوار	بعد نماز عشاء
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری دلمیر خان، فون: 047-6331440، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدر آباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدر آباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ Email: pindibazm@yahoo.com	بروز جمعہ	4PM
	رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز اتوار	4PM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839		

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف، 03007158446۔ محمد طاہر بٹ، 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار 5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-3711233 0306-6730342	بروز منگل 7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ 4PM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702 Email: bazmkhi@hotmail.com	بروز اتوار 10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار 2PM
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331 Email: asif.jalil1@gmail.com	بروز اتوار 11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736، موبائل 0333-7937101	بروز اتوار 4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546 Email: idara@toluislam.com	بروز اتوار 9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 موبائل نمبر: 0334-4907242	بروز جمعہ 10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلّہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار 10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: وکیل زادہ انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبر: 223309 (0938)	بروز اتوار 3 PM
ملتان	بر مکان مظہر حیات۔ نزد مین گیٹ خواجہ فرید سوشل سیکوریٹی ہسپتال وہاڑی روڈ۔ ملتان۔ رابطہ شان الٰہی مظہر، موبائل: 0300-4469722	ہر اتوار سہ پہر 3 بجے
مینگورہ۔ سوات	رابطہ۔ خورشید انور۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات۔ فون 0315-9317755 Email: khurshaidanwar@yahoo.com	ہر ماہ پہلے جمعہ کو 2PM
علی گرام۔ سوات	رابطہ محمد ظاہر شاہ خان۔ علی گرام۔ تحصیل کبل ضلع سوات۔ فون: 0346-9467559	ہر اتوار 8:30AM
فتح پور۔ سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار 3PM

Surah *Al-Mursalaat* (المرسلات) – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 30

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, today is May 11, 1984 and today's lecture starts with verse (77:38) of Surah *Al-Mursalaat* (المرسلات).

Critical moment

If you remember, the struggle between truth (حق) and falsehood (باطل) that started with Prophet Nooh (PBUH) continued through history and ultimately reached the period of Prophet Muhammad (PBUH). That struggle reached a critical stage which the Quran has called: هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (77:38) – *this* is the Day of Distinction or Judgment; *this* is the deciding day between truth (حق) and falsehood (باطل). The Quran has called the battle of *Badr* as: يَوْمَ الْفُرْقَانِ (8:41) – the *day* of distinction – the *day* when truth (حق) and falsehood (باطل) were separated. From this point of view it was a decisive moment. History tells that after this day, the struggle between truth (حق) and falsehood (باطل) had decidedly taken a new turn. This was a victory of truth (حق) over falsehood (باطل). The Quran has also used يَوْمُ الفَصْل and يَوْمَ الفُرْقَان in the sense that there would be clear distinction between who is who on that day. It says in Surah Ya-Sin: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (36:59) – You criminals! Stand aside today! Get away from the righteous people. The point the Quran is emphasizing here is of fundamental importance. We know it is easy to recognize who is who in the animal kingdom. It is impossible to get deceived by an animal pretending to be some other animal. It is another matter though that an animal can be killed and be eaten by another animal – but everything works in a clear-cut transparent manner in the animal kingdom. And animals have no problems recognizing each other. This is why animals cannot deceive each other. The difficulty with humans is that everyone has a human form and a human face regardless of physical differences. There is no way to tell between a wolf and a lamb among humans; and that is why it is easy to get deceived. And, my dear friends, all human troubles, all human miseries; all human conflicts and

struggles; and all human mistrusts of each other are the result of this deception.

I had a friend who was very successful as success goes. I asked him: My friend, you are always happy and I am always miserable. What is the reason? He said it is very simple. When I deal with a new person I first assume that he is untrustworthy. And then I proceed from there. If it turns out that he is untrustworthy then I am not sorry as I had originally assumed anyway that he was. If he turns out to be good and trustworthy then I am happy. On the contrary, when you deal with someone for the first time, you think he is a good and trustworthy person. When he does not turn out that way –as is the case most often – then you feel miserable. That's it my dear friends! Humans cannot be truly recognized by their outward appearance. How beautifully a poet has put it:

Scattered locks, torn neck, lost in youthful gloss;

I thought you are pain-aware from looks of loss!

This is the reality of life my friends! Getting deceived is peculiar to humans only.

Human self-deception

My dear friends, the present human society is non-Quranic. This is true everywhere on the planet. One cannot differentiate humans from humans. Those who want to deceive put on so much makeup that one cannot find out the real person from his outward facade. You can very well imagine what kind of heavenly society that would be where everyone can be recognized as the way they really are from inside: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (36:59) – Since a heavenly society is being created now – You criminals! Step aside! يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ (55:41) – In this society criminals will be recognized by their foreheads, by their faces. How worry-free and tranquil that society would be where humans are so recognized. When the Quran says: يَوْمَ الْفُرْقَانِ (8:41); هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (77:38); وَامْتَازُوا الْيَوْمَ (36:59) – This is the day of distinction – then it is a great Mercy for human beings. But what can we say? Now we see these verses of the Quran. At most, we understand their meaning; but there is no trace of that heavenly society where by looking at the forehead one can find out whether one is looking at a criminal or looking at a virtuous person. In the present society there is deception everywhere. And the result is hell. The Quran says: هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ

(77:38) – They will be told: This then is the day of distinction for which We have gathered you all – you and the earlier generations. Thus you will see the Quran mentioning that the biggest problem was of dealing with the hypocrites. They were mingled within the society. They could not be recognized. And then there is the law of Allah which does not change for anyone, not even for the Prophet (PBUH). Allah told the Prophet (PBUH) and his companions that We will not tell you who is hypocrite and who is sincere; you will have to find that out for yourselves by the signs of their hypocrisy.

This hypocrisy will not remain forever

Mt dear friends, this hypocrisy will not remain forever. There will come a time when the Quranic society will be established and it will be cleansed of the hypocrites. The sincere *Momins* will be separated from the hypocrites. Thus a *Quranic* society will be created where the question of human deception does not arise. This will be the Day of distinction. This will be the Day of decision. People would be recognized from their foreheads.

My dear friends, next is the issue which tells that the struggle between truth (حق) and falsehood (باطل) was happening in *this* world. Whatever is to happen in the Hereafter will happen there. We believe that. Moreover, about events of the Hereafter – we cannot understand by our present consciousness. But, even if we could understand that, then what could we gain from that anyway? There would be no time for reform there; there would be no chance for توبہ there. There would be no chance for doing good deeds there. Nothing can be changed there. Whatever one has earned *here*, only that will be recompensed *there*. It is only going to be of any benefit to us when we are told *here* about whatever is to be done *here*, in this world, so that we can improve ourselves *here*, in this world; so that we can follow some strategy *here*, in this world to remedy the untoward situation. Now, see what the Quran says: فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ (77:39) – You used to make big plans against Our program. Now if you have any plans still left with you, then you may try that as well. You can see that this could only be the case here, in *this* world. Otherwise, what planning the proponents of falsehood (باطل) could do in the Hereafter? That is out of the question.

My dear friends, we are entering the last stages of the Quran. There is no certainty for

life. Please engrain firmly in your mind this notion that these are the struggles of *this* world that the Quran mentions here. Again and again the Quran says: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (77:40) – that day will be of great destruction for those who used to belie Our Law of Requital. They used to taunt when warned about the oncoming destruction. But, now, they are facing it.

The righteous (مُتَّقِين *Muttaqeen*) group

My dear friends, in contrast to this group the Quran talks about another group: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ; وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ (77:41-42) – this second group is of مُتَّقِين. This is a very comprehensive term of the Quran. The meaning of مُتَّقِين (*Muttaqeen*) is: those who lead their lives by protecting themselves from life's dangerous turns, its treacherous valleys, and its evil vagaries. How do they do this? They follow الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (1:5) – They follow the straight way. Those who do this – the Quran calls them مُتَّقِين (*Muttaqeen*). These are also the مُؤْمِنِين. The Quran talks about heaven for the مُتَّقِين and مُؤْمِنِين by using observable and perceptible examples. For the Arab people what could be a heaven other than a lush green garden with cool streams flowing underneath? جنّت (heaven) means garden under which streams are flowing and fruits hanging from trees which are within the reach of everyone. This was heaven to the people of Mecca where there was no trace of any grass blade let alone green trees. This was called بوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ – a valley in which there is no arable land. And it still is. And these people became the owners of such lands that don't ask how lush and green they were?! – ظِلَالٍ وَعُيُون. My dear friends, if the present society were to be constituted of مُتَّقِين then this world, this very Earth, will become heaven. Just think about it: that society where a stranger is greeted with the message سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (I wish for your safety and security) and if this wish was not based on hypocrisy but based on sincerity, based on complete assurance and 100% trust; and that stranger greets you back with the same message; and where, people had such dealings among themselves as: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (59:9) – they rather give others preference over themselves, even though poverty be their own lot – then won't that society be a heavenly society?

Attributes of the heavenly society on Earth

My dear friends, the Quran mentions that there will be nothing inside the hearts of the

people of heaven that they would try to hide it from each other. *Allahu Akbar*! This is the description of a heavenly society on Earth. If ever, by good fortune, a person finds another person like this then that relationship becomes heavenly between the two. And, if a society were based on such people then you can very well imagine how heavenly that society will become. And then the Quran said this in many places: وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (3:133) – the paradise encompasses both the Earth and the heavens. We can translate السَّمَاوَاتُ as heavenly places but the الأَرْضُ (*Al-Ard*) is *this* Earth. So, the Quranic paradise *does* encompass the Earth. In another place the Quran says: وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ (50:31) – And paradise will be brought to the مُتَّقِينَ (God-conscious), and will no longer be far away; and they will be told: هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ (50:32) – "This is what you were promised." The Quran says here that paradise will no longer be far away from the مُتَّقِينَ (God-conscious); that it will be brought to them here, on Earth. Therefore, the Quran nullifies our traditional belief that paradise will be only after death; that no one will have the paradise here:

Don't drink, nor let anyone else drink O pious one?

What to say of this pure heavenly drink O pious one?!

Socially leaving in hell

My dear friends, the Quran, by emphasizing هٰذَا, in: هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ (50:32) – "*This* is what you were promised," – leaves no doubt that it is talking about the heaven on Earth that will come to مُتَّقِينَ (God-conscious). But we have postponed everything related to heaven to after death and to Hereafter. Well! In a way we seem to be right. How could we, living in perpetual hell, here in this world, ever imagine heaven coming to us? Leave aside the rest of the world, at least we, who read these verses, are actually living in hell for thousands of years. No doubt this applies to us, when the Quran says: وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (2:167) – they cannot get out of hell. It says that when they try to get out of hell then they would be pushed back into it. There will be no way that they could get out of the hell. Those people who are living in this hell for thousands of years – how can they ever imagine the life of heaven on this earth? How can they ever believe that there will be heaven on this earth?! But the Quran says: وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ (50:31) – And heaven will be brought to the مُتَّقِينَ (God-conscious), and there will no gap between them and heaven. What the Quran says is

the most important attribute of heavenly society? كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا ; وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ (77:42-43) – and partake of whatever fruit they may desire; and they will be told: Eat and drink in good cheer in return for what you, while living in the world, did as مُتَّقِينَ (*Muttaqeen*).

A clear sign of heaven

My dear friends, on the surface it looks like that there are different kinds of fruits in heaven and one picks whatever fruit one wants. But what the Quran has said here requires much deeper thought. In the entire creation of Allah human beings are the only ones endowed with freewill and freedom of choice. From this, I think you get an idea what I am getting at: مِمَّا يَشْتَهُونَ means there is <u>freedom of choice</u>. And freedom of choice means independence: if there is no hindrance in the exercise of that freedom then this is called independence. *This* is the essence and distinguishing feature of human beings compared to all other creations in nature. Wherever in the Quran these words – meaning desire or wish – come, it means the exercise of the power of human freewill granted by Allah; and a heavenly society provides complete freedom to do that. What kind of freedom that would be? My dear friends, this has come many times in these lectures: (41:30) إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ – Behold, as for those who say, "Our Sustainer is Allah," and then steadfastly pursue the right way – angels descend upon them, saying: "Fear not and grieve not, but receive the glad tiding of that paradise which has been promised to you! And: نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (41:31) – We are close unto you in the life of this world and will be so in the life to come; and in that life to come you shall have all that you may desire, and in it you shall have all that you ever wanted and desired. This is real freedom of humankind: Whatever you wish to have you will get. No one will prevent you from exercising your freewill and the freedom of choice. So, this freedom is not just limited to choosing fruits but the freedom and power of choice that Allah has granted human beings – they will have full freedom to exercise that right in that heavenly society structured on the permanent values given by Allah. Contrary to this, the first thing that would happen in hell is that there will be no question of freedom; there will be no question of freewill or choice. There will not be two possibilities there. There are no two possibilities in (hell) fire. The security guard of hell is called

Master (مالک). Therefore, the rest are slaves. And, in hell: وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (77:13) – the food is given that chokes. Neither one can swallow that food nor get it out of the throat. There will be no choice. They will be told: ذُقْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ (44:49). Taste it – as if someone would be forcing this food down your throats – you who considered yourself so mighty, so noble! Now get used to being force-fed.

There is no choice in hellish society

My dear friends, the Quran says that in this hellish society: ذُقْ (44:49) – Now swallow it. Do you see what is missing here? What has been usurped? It is not the question of what kind of food that is. The same bread that is eaten everywhere is also available in prison. But what a difference it is in both situations? This is hell and the difference is that there is no freedom; there is no freewill or freedom of choice. As we saw, the basic characteristic of heaven is human freedom and human freewill and choice. And this freedom of choice is usurped from human beings in hell. How aptly this is described by the following:

What great burdens didn't I carry O Magnificence?
What I wanted didn't happen, what I didn't, ensued!
I have only a minor complaint of God's Beneficence;
What I asked I did not get, what I didn't, I received!

This is the life of hell. This is the life of slavery. There is lot to say about hell and heaven. Let us see few poems of Iqbal.

Freeperson' moment is a year of a serf;
How burdensome are the times of a serf!
Freeperson's pulse, a message of eternity;
Serf's every moment, a new swift demise!
Freeperson's dream illuminated by reality;
Serf's daydream a prisoner of mythology!
Serf expects from a wizard, a miracle;
Freeperson is but himself a miracle!

What is the sign of a freeperson? Choice, i.e., exercise of freewill. I just

remembered another poem of Iqbal – that when the coffin of a serf is lowered in the grave then the grave says to the serf:

Ah! You were a serf in the world O despised one;

I failed to understand why my dust is burning one?

I did not know why fire is coming out of my dust? Now I know that you were a serf who is being buried:

From your coffin my darkness further became darker;

From your coffin earth's curtain of honor got asunder!

What to say of Iqbal? What he is able to convey in his own unique style?!

The grave now says:

Beware! Hundred times from the coffin of a serf, beware!

O Israfil! O Creator of the Universe! O pious Life soul!

Beware! Hundred times beware from the coffin of a serf. *This* is hell. There is no choice here. There is no مِمَّا يَشْتَهُونَ (77:42) here. This is because whatever orders are given must be carried out. Whatever is given to eat must be eaten. My dear friends, the essence of being human is: مِمَّا يَشْتَهُونَ (77:42) – freedom of choice. Let us give some further details from the Quran: لَهُم مَّا يَشَاؤُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (50:35) – In that (paradise) they shall have whatever they may desire - but there is yet more with Us. The same word "يَشَاؤُونَ" has also come in reference to Allah in the Quran. In that heavenly society whatever one desires one will get – and more. Since one's desires are limited Allah gives more. Allahu Akbar! Giving after looking at the recipient's cup's size and more!

Difference between life's desires and the heaven of the hereafter

My dear friends, our desires, our wishes, our wants are limited. These are at the level of physical life. If we are told today to ask whatever we want, then we are limited by time and our present level of consciousness. We cannot think beyond that. In the above verse Allah is saying that We will give you beyond what you may ask because your wants after all will be limited by your physical limitation. If we ask a child: Son! What do you want? He will ask for some fancy toy. His wish cannot transcend

beyond his mental level. If you tell him: Son! It is okay I will give a toy car but I will also give you a real car. Then his limited mind cannot comprehend this. What to say of the Quran? It says: لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (50:35) – They shall have whatever they may desire – but there is yet more with Us. There are many similar verses in the Quran on this subject – you can see them in my concordance (تبویب) of the Quran. On this same topic there is a unique verse in it the Quran: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (9:72) – Allah has promised the believers, both men and women, gardens through which running waters flow, therein to abide, and goodly dwellings in gardens of perpetual bliss: but Allah's goodly acceptance is the greatest bliss of all -for this, this is the triumph supreme! Many translations of – وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ – say: And Allah's happiness will be even greater. That is, Allah becomes happy (or Allah becomes angry). To become happy or angry is human emotional trait. This cannot be applicable to Allah.

The Quranic meaning of رضْوَانٌ

My dear friends, the root meaning of رضْوَانٌ is something else. This means: to live life in harmony with the attributes of Allah. That is, to imbibe the attributes of Allah in our character within human limitation. How can we understand how this transforms our "self" – the being that is to move forward after death – and turns the human society into a heaven? Well! By: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ – by harmonizing our character with the attributes of Allah. And – أكْبَر –means that this harmonizing will bring even greater bliss than what one can imagine.

Commandments for believers and the meaning of freedom

My dear friends, the question arises here that the believer has to also accept the orders from Allah; and he is bound by them. So, one may say that once someone accepts to be bound by order then he no longer remains free and independent. But there is a difference between being bound versus being bound. I will explain this with an example: If you decide that you will go for a walk every morning for health benefits then this bound did not curtail your freedom because this is self-imposed. Any self-imposed bound does not curtail individual freedom. On the contrary, it is a sign of individual freedom. Let us come to the Quran. How is this supposed limitation or

bound described? Again, let us understand through an example: Suppose one is sick and he decides on a particular type of (say, allopathic) treatment. This has eliminated all other types of treatments. Now, he decides to see a particular physician and to follow his prescription and directions. Now, these did not curtail any freedom but, in fact, are manifestations of freedom and choice. The Quran's prescriptions and directions are also similar. First of all, the Quran requires that one should acquire *Iman* (become a believer of it) and leave *Kufr* (all other beliefs). In relation to acquiring *Iman*, the Quran says: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (18:29) – And say: "The truth has now come from your Sustainer: let, then, him who wills, believe in it, and let him who wills, reject it."

The meaning of مَن شَاء

My dear friends, the above requirement of believing in truth comes with complete freedom of choice: "شَاء" (*Sha'a*) means freedom of choice. Allah's Will does not force anyone to accept or to reject His message. He does not make one a believer or a disbeliever. People have to make this choice of their own freewill what they want to become. In many verses the Quran has said that if it was Allah's Will to make humans without freewill as He has made the rest of the objects and creatures in the Universe, then He would have done it. But it was not Allah's Will to do that. Allah has granted humans freewill: مَن شَاء. Allah says that he has sent the truth. Now, it is up to humans to accept or reject it: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (18:29) – O Prophet (PBUH) say: "The truth has now come from your Sustainer: let, then, him who wills, believe in it, and let him who wills, reject it." Do you see how freedom has been kept intact? Now, this is the first thing related to belief or *Iman*; and this is the most fundamental one. After this, the Quran says that do what you want in your entire life. My dear friends, you will not see this message being delivered to humans from any religious platform: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (41:40) – Do what you want. So, Allah is saying to humans: Do whatever you want to do in your world, We will not interfere. The Quran says further: قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ (6:135) – O Prophet (PBUH)! Tell your people, "You may do whatever you choose; I will not interfere. And, by the same logic, do not interfere in my program." This is the main point I am emphasizing today: To protect and to maintain human freedom from every target that tries to usurp

it – this is the aim of the Quran; this is the essence of the life of heaven. To put restrictions on this by any human (or group of humans) is to turn it into hell; it is to turn freedom into serfdom; it is to degrade humanity. Because: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (3:79) – The fundamental principle of the system of the Quran (*Deen* or Islam) is that no human being – even though Allah may have given him a code of laws, or the power to enforce it, or even Prophethood – has the right to say to others: "You shall obey me rather than Allah." No human has the right to rule over other humans. No human has the right to curtail or usurp human freedom. I have mentioned this many times before: what you call belief is based on "مَن شَاء" (or human freewill) and the action is based on "اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ" (or human freedom of choice). As for the obedience of the order Allah – of course this is there in the Quran. But as I explained, this is akin to following directions and prescription of a physician. This is not being subservient to anyone but to follow the direction and prescription based on one's complete freedom of choice for one's own benefit.

The meaning of اطاعت **(*Ita'at*),** اتباع **(*Ittiba'a*), and** بر **(*Birr*)**

My dear friends, the root of the Arabic word اطاعت is: ط – و - ع. Its root meaning is: The ripe date that falls itself without applying any force. If one has to use thrashing force to dislodge the dates from the date tree then it is not called اطاعت. From this one can understand the true meaning of اطاعت. What a wonderful meaning this word اطاعت has! Having similar meaning is the word اتباع. The meaning of this word can be explained by an example: An animal's baby follows the mother behind her. The mother does not force or order the baby to do this. The baby feels so attached and attracted to the mother that it keeps on following her mother wherever she goes. The baby feels safe and secure in closely following the mother – This is called اتباع in Arabic. Again we see the wonders of Arabic language in capturing this whole scenario in just one word:

Bound at your doorsteps without chain

This is the word of the Quran. *This* is اتباع: That is, اتباع of the Quran means that one should feel so much gravitational pull from it that one keeps orbiting around it of one's own volition; that one makes it the center of attraction of one's entire life. My

dear friends, there is another word بر that is normally translated as piety but very little attention is paid to its root meaning. The verse is: لَيْسَ الْبِرَّ (2:177). The word "بر" is Arabic word but by translating it as if it was a Persian word we have destroyed its meaning. In fact, this word بر is even more important than اطاعت or اتباع in the context of freedom. In اطاعت there is external authority that we obey of our own free choice; and in اتباع there is connotation of following by being attracted to some external object. Apart from these two words, there is yet another word in Arabic in this context, and that is "بر" (*Birr*). Let us explain this also by an example: We breathe. In this exercise there is no extrinsic authority that we follow or there is no extrinsic entity that we are attracted to. Then what is this? Well! This is intrinsic and necessary activity to sustain and maintain our life with our full freedom; and it is, in fact, autonomic. This is a self-propelled autonomous free action. This is called "بر" in Arabic language. In obeying Allah's commands there is obedience, but in this "بر" there is no obedience. My dear friends, do you see where the Quran wants to take humans – the exercise of complete freedom of choice using their own freewill obeying the guidance of Allah's Book as if it is their own breath; as if it becomes their nature just like their own breath. By this we become what Allah wants us to become by our own free choice "مَن شَاء" and by actions based on what we want to do "اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ". How do believers (*Momineen*) practice this? Well! Whenever they are faced with choices; whenever two possibilities come – and they want to decide what they should do then they follow the directions of Allah like the way they follow the directions of a physician of what to eat or drink; of what is harmful or what is good – of their own free choice. The Quran says about the believers that: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (81:29) – they harmonize their freewill with Will of Allah. In any situation which requires choice they first see what Allah wants – which is described in his Book, the Al-Quran – and then by exercising their freedom of choice they want the same thing as Allah wants for them. Now, there is no compulsion in this. From exercising this choice a believer does not lose his freedom. It is just that for his own decision he has taken a light; he has taken guidance. Did you see how right this approach is? This is what the Quran gives whenever a believer is faced with a choice; whenever possibilities of choice come – and he has to make a choice – then he first sees what

Allah wants i.e., he first sees what the Quran wants. And then he follows what the Quran wants. So, this is not being subservient because he is doing this using his own freedom. No one forces him to do it; he has every right to choose against what the Quran wants but a believer (*Momin*) doesn't. I have said this many times that the translation and the interpretation of these verses were done during the reign of kings and these were done to enslave humans; they were done to make them subservient to kings and priests; they were done to snatch away the freedom which Allah has guaranteed in the Quran. That is how kingships and dictatorships run. They exist by snatching away freedom of choice. There is no question of freedom of choice in any aspect of life in these autocratic regimes. They survive by usurping the individual freedom of choice. The first book of the meaning and interpretation of the Quran was done by Tabari during kingship. All later books of translation and interpretation are based on Tabari – until today. Now, if under these types of dictatorial regimes the translations and the interpretations of the Quran are done; then do you think these will give lessons in freedom and choice?

Forget about freedom in books compiled during kingship

As for usurping freedom, the Quran says: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (81:29) – You should only desire what Allah wants you to desire. So, the first thing is: Do whatever you want; but you should wish what Allah wants you to wish. But this has been interpreted by these interpreters as: You cannot wish anything except what Allah wishes. That's it. You do not have your own freedom of choice in this. This is what comes from the interpretations done during kingships. Otherwise, it is quite straightforward: whenever you are faced with the two choices or two ways; then first see what Allah has said of which way is better for you. Then, choose the way that Allah wants but do it of your own freewill, of your own volition. This way you can harmonize your will with the Will of Allah. When you do that then you become the destiny of Allah, you become the standard bearer of Allah. You become the hand of Allah. In the words of Iqbal:

Develop your Self so strong that before every destiny
Allah Himself asks you: "Tell me what your wish is?"

Human will of his own free choice is harmonized with Allah's Will in that case. My

dear friends, did you see that مِمَّا يَشْتَهُونَ does not just mean that you eat whatever fruits you want? This, in fact, is the essence of being human. You will find this freedom of choice as the central theme of a heavenly society, e.g., وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا in (2:35) – Eat freely thereof, both of you, whatever you may wish. Next verse: كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (77:43) – Eat and drink in good cheer in return for what you did. There is so much concentration in this statement: eat and drink with pleasure because this is in return for what you did: بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (77:43): This is not a favor; you didn't beg for it; *this* you have earned it; and you have achieved this as a result of your own good deeds. This does not happen in an unjust society. Only in a just (heavenly) society based on the universal values one receives full and complete return of one's efforts. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (20:112) – anyone who will have done righteous deeds, and was a *Momin*, then need have no fear of being wronged or exploited. And he will get full return of what he did: بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (77:43). Next verse is: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (77:44) – Thus, behold, do We reward the doers of good; you led a balanced (good) life and you got the return for it. You followed the right prescription and directions and you received the benefits. This is the right system. In contrast to this: وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (77:45) – And those who were belying this; believing that it is not going to happen: woe on that Day unto those who give the lie to the truth. كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ (77:46) – My dear friends, you can see again that this is being told about this life, here, in this world. You will get the bread the way criminals get it. Yes! You will get bread but as criminals – in restrained quantities. This is the bread of serfdom. – وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (77:47) – woe on that Day unto those who give the lie to the truth. وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ (77:48) – and when they were told to bow down before commandments of Allah then they arrogantly refused. The result? وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (77:49) – woe on that Day unto those who give the lie to the truth! The last verse of this Surah ends with this final statement: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (77:50) – In what other tidings, then, will they, after this, believe? This is the last verse of part (جز) 29 of the Quran. Finally, they are being told after all these warning and explanations: We have explained this clearly; we have given all the proofs and evidences; we have given them historical observations and accounts. If after all this they do not want to listen to the truth; they do not want to accept the reality then –

what else is there that they will accept? What a beautiful way to end this argument?!

***

My life's treasure

My dear friends! We have completed the last verse of Surah *Al-Mursalaat* (المرسلات) in today's lecture and it happens to be the end of part (جز) 29 of the Quran. Today's lecture is over but I want to continue further for a special reason that is related to my emotional state right now. It is human nature that one feels sad to part with his most beloved thing in life. It is okay. I am also a human being. I do not want to say anything except to mention that my life's treasure; my life's gift that I have – the Quran – is purely from the Grace of Allah. As far as material possessions are concerned, I never tried to accumulate them that I should feel sad for losing them, though Allah gives me enough to survive. And, as for satisfying my literary and artistic taste, it is something that cannot be taken away. For internal emotional satisfaction there is attraction in these things, but, my friends, the most attractive thing and the most valuable treasure of my life is the Book of Allah; and the most lovable and the most important person for me is the person who brought this Book, Prophet Muhammad (PBUH).

My dear friends! I am now going to talk about this Book and then I will do about the Prophet (PBUH). The Quran is a limitless ocean. In the words of Iqbal:

Eternity behind it and Eternity in front

No limit behind it and No limit in front

There is no question of it ever being finished. But when it got protected under the chandelier of leaf then it took material form. We count the Book of Allah from our point of view as: part 1, part 2, etc… Now, I want to express my feelings in front of you. I may be five or six when I got a part of the Quran in my hands. Okay! This is the case with every Muslim child. But for nearly fifty years now not a single day went by – except those days when I may have been seriously sick – that my heart and mind did not receive the sacred light from this holy Book. This feeling has been there with me for nearly fifty years – that whenever I reach part (جز) 29 of the Quran I feel some kind of jolt. You can say that this is due to my emotional state when I reach there, as I cannot provide any rational reasoning for something which has no limits? But what is

it that we count using a perceptible measure as far as the Quran is concerned? When I said that this is the last verse of the part (جز) 29 of the Quran – then I did not say it lightly. There is a storm brewing inside my chest at this time. This has been happening with me all my life. Whenever I reach this stage in the Quran then I start having this feeling: Is this going to get finished? But when I reach the end of the Quran I connect its last verse with its first verse to get over that feeling. And I continue to keep going….and going …

My passionate inner drive

How humans can create a beautiful make-believe world for themselves! Anyway, this is what I do for myself regarding the Quran. This is a never-ending ocean of treasure. I had similar intense feeling when I was compiling my encyclopedic work on *Ma'ariful Quran* in multiple volumes. This was based on life stories of the chain of different Prophets. Later its individual volumes were given their own titles: (1) *Ju-e-Noor* – based on stories from Nooh (PBUH) to Shuyaib (PBUH); (2) *Barq-e-Toor* – based on stories from Moses (PBUH) and later Prophets of Bani Israel, and lessons from their history of rise and fall; and (3) *Shola-e-Mastoor* – based on the life of Jesus (PBUH). But when I finished the last story in this book it felt like I have reached the end of part (جز) 29 of the Quran. Please don't ask me the status and authority of the personality that was to be the next topic in this series?! My feelings became intense that this long process is coming to an end. At this stage whatever I wrote you can feel the intensity yourself as to how emotional I had become. Sometimes the writer himself does not know the state of his own emotions when writing. Anyway, you can yourself feel the world of emotions that I was going through when I wrote these words. I wrote:

"The high caravan of holy mass immersed in intense love which started its journey in the twilight shade and stillness of eternal morning's twinkling stars and passing through gleaming valleys of deep passion and profound emotion under the heavenly and wise guiding light of the Almighty, had now reached a place from where, into the distance, the final destination was visible like a tall shining minaret of light. Navigating through different stages of evolution, the final destination of this long evolutionary journey of lifeless dust particles, which eventually acquired the form of

Adam – was finally in sight. And this creature of dust-and-water kept moving forward in his evolutionary journey with full force until that glorious station of light and human dignity was reached. Now, these happy sojourners have reached *Miqaat* – the stopover – to prepare for that ultimate and the final stage of the journey. Everyone is busy preparing and putting on the sacred white robe because this last stage of the journey is to end in the courtyard of the holy K'aba, the house of the Creator of this Universe! While the caravan is busy preparing for this last stage of the journey, let us pause and reflect on the panoramic view accomplished thus far so that we can refresh our memories of the past stages of the journey; and move forward on to the next stage carrying those blossomed flowers with us that we collected along the way. Because when we will reach the holy valley of our final resting place, Mecca – whose every grain of stone shines brighter than that of Mount Sinai – we will not have time to reflect since our every heartbeat will be dedicated as a gift to the Almighty and every blink of our eye will be devoted to His prostration."

My dear friends! By this time you may have figured out whom I referred to as the shining minaret of light. This is the place where the final goal of this long sacred journey will be completed and for which the long evolutionary expedition of the dust particles passing through different stages finally appeared in the form of Adam. This creature of dust-and-water kept marching forward in its long evolutionary voyage and ultimately reached that exalted position of respect and human dignity. This caravan of message and guidance comprising of sacred souls was a flowing stream which came down from the edge of the Galaxy and appeared on the top of the mountain, and by tearing Mount Sinai and by colliding with huge rocks producing lightning along its way, and by nourishing the song of life within the laps of its waves finally entered the desert planes in the form of the final messenger and Prophet, Muhammad (PBUH). Iqbal has translated into Persian language of how the German poet philosopher has praised the Prophet (PBUH) in his poem. In my estimation perhaps no other person occupies a greater place than him. Iqbal has also written appreciative poetry about the Prophet (PBUH) but what Goethe has said about the Prophet (PBUH) has within it a world of unique realities. I cannot translate it. [Below is a translation from German into English. Translation copyright © by Emily Ezust,

from The Lied, Art Song, and Choral Texts Archive -- http://www.lieder.net/.]

Song for Mohammed

Behold this rocky spring,
bright with joy
like a twinkling star;
above the clouds
its youth was nourished
by good spirits
among the cliffs in the bushes.

Fresh as a youth
it dances out of the cloud
down to the marble rocks,
cheering again
to the sky.

Along mountainous paths
it chases after colorful pebbles,
and with the step of a young leader
its companion-springs journey
with it onward.

Below in the valley
flowers appear from its footprints,
and the meadow
derives life from its breath.

But no shaded valley can stop it,
no flower,

clasping its knees
and imploring it with loving eyes:
toward the Plains it presses its course,
twisting like a snake.

Brooks nuzzle up
sociably. Now it treads
into the Plain, resplendent with silver,
and the Plain grows silver too,
and the rivers of the Plain
and the brooks of the mountains
cheer and shout: "Brother!
Brother, take your brothers with,
take them with you to your ancient father,
to the eternal ocean,
whose outstretched arms
await us,
who, ah! has opened them in vain
to embrace his yearning children;
for the bleak wasteland's
greedy sand devours us; the sun above
sucks up all our blood; a hill
clogs us into a pool! Brother,
take your brothers from this Plain,
take your brothers from the mountains,
take them with you to your ancient father!

Come all of you! -
and now [the spring] swells
more grandly: an entire race

lifts the prince up high!
And in rolling triumph
it gives names to the lands and cities
that grow in its path.

Irresistibly it rushes onward,
leaving a wake of flaming-tipped towers
and houses of marble - creations
of its bounty.

Like Atlas it bears cedar houses
upon its giant's shoulders;
over its head, the wind noisily
blows a thousand flags
as testimony of its glory.

And so it brings its brothers,
its treasures, its children,
effervescent with joy,
to the waiting parent's bosom.

Muhammad (PBUH)! These are the people whose eyes are able to see what his place was in the history of the world and how he changed the course of human history! It was not a life but was a gushing river that overtook all kinds of obstacles in its way; which overcame all kinds of storms and challenges; and thrashed down all kinds of rocks in its way. In fact, these obstacles intensified its momentum and increased its joy and happiness; causing it to soar with delight and create songs from the grains of those rocks; and making its forehead evermore shining from its eternal pure light. In essence, this flowing river not only kept flowing in its happy strides by overcoming all the obstacles and thorny jagged lands in its path, but also kept strolling along

royally smiling; and creating emotional pull for every valley down below and producing colorful fragrance in every landscape of life.

The reverence for the Prophet (PBUH)

I have written that this captivating stream kept moving forward turning the land in its path into tulip fields while uprooting the dead foliage and carrying them away within its powerful waves. Waves after waves the stream of Prophets continued to come and the stream kept moving forward kissing the faces of new saplings; pushing the curled branches up by its mirror of life; and uprooting all arrogant and powerful trees by its commanding waves completely unconcerned by what was happening around and not caring about any self-crafted human laws; but only obeying the Almighty's laws. مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (48:29) – And this happened at the hands of Muhammad (PBUH) the messenger of Allah and his companions. What a unique and wonderful people constituted this group! Such was their resolve that they dealt with the opponents of truth with rock-like firmness, but were kind-hearted and sympathetic amongst themselves. Goethe says that this powerful stream rushed through by tearing the hills and filling the valleys with its life-giving treasure thus leveling everything in its path. This was the universal message of equality and brotherhood of humankind of Muhammad (PBUH): Allah's powerful stream of free flowing sustenance levelling everything in its way; and not asking anything in return unlike kings coopting resources for themselves or the orchard owners enjoying the fruits of others people's blood, sweat, and tears. Nothing of the sort was demanded for this free-flowing gift of new life. This powerful stream left behind the ancient rotten human cultures and moved ahead with full force by accomplishing one progressive milestone after another; and in its wake creating a complete new world-order. Thus this caravan entrusted with the divine light and guidance, having invited every wayward traveler to its message and changing their destinies along its way, has reached a place in its long unbreakable journey where it could easily see the visible signs of its final destination. We, worn-out abandoned and lost peoples, how can we feel the soaring happiness of reaching this final destination when our steps are incognizant of any life-giving activity and our eyes devoid of any vision to recognize our own destiny? Ask about this from those whose hearts throb with reality of such

feelings – because life is nothing but being always active; being always in motion; being always in journey. Now, this caravan of love full of exhilaration and excitement has arrived at its sojourn called *Miqaat*. I am delighted at this beautiful metaphor. You know that when you go for pilgrimage then few miles before Mecca people stop their journey to put on the white cloth (*Ihram*) before proceeding to Ka'ba. This is a time of reflection and stock-taking of what is to come. This is a time of anticipation to meet someone – as if someone had said: Wait here and I will come to meet you. This *Miqaat* – literally meaning appointed time to meet – is a wonderful word! I have written: Everyone is busy donning the white robe because the next stop will be the courtyard of the sacred K'aba. After reaching *Miqaat* every pilgrim's heart races with enthusiasm and love, in the anxious anticipation of looking at K'aba; and sends current through the whole body. But, at this stage, my feelings of love and impatience and intense passion render me speechless in complete wonderment because this is the place whose every particle keeps calling loudly: This is *the* place of reverence under the sky that is more delicate than the heavens. So, this place stirs in me the same feelings that are aroused when I reach the end of the part (جز) 29 of the Quran. My dear friends, I rarely become emotional. But emotional autos cannot just run on gas; they need lubricating oil too. So, that is the feeling I had when I reached the final verse of this chapter: فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (77:50) – We have explained all these matters in very clear terms. Despite this, these people do not accept the divine message. Then ask them what other explanation they require before they accept Our message?

The last verse of part (جز) 29 and the milestone of *Miqaat*

My dear friends, when we reach this verse I call this a milestone, a *Miqaat*. And we have reached that place. Please put on the white robe (*Ihram*) and prepare for moving ahead to the sacred K'aba. And when I do reach the final verse of the Quran I connect this verse with the first verse of the Quran like this: مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاس الْحَمْدُ ِّ – so, I create a beginning from the end. That is how I have the studied the Quran. At this time there are many poems that are coming to mind but it is not necessary. Just this lovely couplet of Jigar (جگر مرادآبادی) is enough as a reminder to connect the end with the beginning:

Embracing me he is departing;

The period of love is arriving!

What to say of this feeling?! This is what I feel when I finish the part (جز) 29 of the Quran; not to worry – the period of love is coming! And then I continue… on that journey that I started more than fifty years ago. And regarding this what Ghalib has said I think no has said it better:

The unique tastes I have; of you departing, and of you coming!

Your departure and your arrival! Both have their own unique tastes. Depart thousand times and come thousand times – I entreat you. Regarding the Quran, this is exactly my feelings, my dear friends! I finish the Quran but I shiver at the thought of finishing it. And then I connect the last word of the Quran – وَ النَّاس – with its first words – الحَمْدُ ِّ. And every time it opens a new door of a new world of reality for me. Fifty years have passed like this my friends! It is such a small book that I have it on my wall written in small letters on just one large framed plaque. This is from Egypt. Let me repeat once more: It is such a small book that it could be written in just few pages. But its reality is that there is no limit before or after it. It does not get finished. Whenever I re-start it, new realities spring forth out of it in front of me. I have written books after books but the words do not get finished. The Quran itself says: if all the oceans became ink and all the trees became pen even then the words describing the realities contained in the Quran will never finish. This is the truth of the Quran! Anyway my friends, we have arrived at *Miqaat*. Get busy to put on the *Ihram* because the next destination is going to be the sacred K'aba. That is the thirtieth part (جز) of the Quran, and we will start our next lecture from there. Why don't I connect this last verse of part (جز) 29 that we finished today – فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (77:50) – with the first verse of the thirtieth part (جز) – عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (78:1)? What a style is of the very start of the thirtieth part (جز)! يَتَسَاءلُونَ (78:1) – O Prophet (PBUH)! What is this that they keep asking you about? About what do they most often ask one another? We will find that out in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆